کشمیر بزمِ ادب کا ترجمان

ماہنامہ

گُل ریز

سری نگر

فروری ۱۹۵۴ء

کشمیر بزم ادب کا ترجمان

ماہنامہ

گُل ریز

سری نگر

جلد ۲
نمبر ۳
فروری ۱۹۵۴ء

بانی :-
مرزا عارف

نظر و ترتیب :-
پروفیسر حاجنی

مدیر و پبلشر :-
محمد صدیق کبروی

بدل اشتراک :- ۵ روپے
فی پرچہ :- ۸ آنے

محمد صدیق کبروی پرنٹر پبلشر نے نارمل پریس سری نگر میں چھپوا کر
دفتر رسالہ "گل ریز" امیرا کدل سے شائع کیا

مُندرجات

معروضات

کسی کا قول ہے کہ دنیا میں سب سے کم قیمت پر اگر کوئی کام کرنا مقصود ہو تو دوسروں کو نصیحت کرو۔ ہم بھی اگر ناصحانہ انداز میں اپنے معاونین کی خدمت میں چند معروضات پیش کریں تو نکتہ چین حضرات یہ کہنے میں ایک حد تک حق بجانب ہوں گے کہ ہم بحالتِ مجبوری سستے سودا کی طرف مائل ہوئے۔ حالاں کہ ہم آج تک شدت کے ساتھ اس اصول پر کاربند رہے کہ ہمارا انداز نہ ناصحانہ رہے اور نہ واعظانہ۔ لیکن ایک سال کے طویل مشاہدہ اور تجربے سے ہم جن نتائج پر پہنچے ہیں ان کو اپنے رفقائے کار سے پوشیدہ رکھنا ہم بزمِ ادب کے آئین کی خلاف ورزی کے مترادف سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ اس کو ہماری تلقین کہیے یا اوروں کی کج روی کہ ہم اپنا مافی الضمیر کہے ہی دیتے ہیں۔۔۔

مان لیا کہ بدنصیب اردو کو اب وہ سرکاری وسائل حاصل نہیں جو کسی آزاد ملک کی زبان کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ دانش گاہ جموں و کشمیر کے اربابِ حل و عقد حد سے زیادہ سوچ کر بھی یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ سنہ 1956ء سے ہندی کے دوش بدوش اردو ایک مستقل مضمون کا درجہ پائے اور ہمیں یہ بھی اعتراف ہے کہ بھارت کے ابتدائی مدارس میں اردو سکھانے سے کہیں زیادہ [illegible] پر زور دیا جا رہا ہے، لیکن ان حوصلہ شکن شواہد کے باوجود ہمارا تجربہ ہے کہ اردو کی ہر دل عزیزی یا دلآویزی روز بروز روبہ ترقی ہے۔ ہم [illegible] جس طرح بھارت کے ان حصوں میں جہاں اردو کے قلع قمع کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا۔ اور دبائے جانے سے یہ زبان زیادہ وسعت کے ساتھ ابھرتی گئی۔

اردو کی قسمت میں گویا یہ ایک ازلی فیصلہ ہے کہ جب کبھی اس کی مخالفت شدید اور وسائل محدود یا قریب قریب معدوم ہو جائیں اس کی قبولیت عامہ وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے۔ مغلوں کے آخری دور میں جب کہ اس کے پھلنے پھولنے کے امکانات روشن ہو رہے تھے تو خود مغلیہ سلطنت تنزل پذیر ہوئی اور اس کی مرکزی سرپرستی صوبائی [illegible] میں بٹ کر رہ گئی۔ انگریز بہادر براجمان ہوا تو اس کی "کم مائگی" کو مشتہر کرنے کی نیت سے قریباً ڈیڑھ سو سال تک اس کو "اختیاری" زبان نام رکھ کر سرکاری حمایت سے محروم رکھا گیا۔ سنہ 1947ء میں جب انگریزی اقتدار ختم ہوا اور لیلائے آزادی کے عشق نے عوام کی اکثریت کو مجنون بنا ڈالا تو سیاست کے اربابِ بست و کشاد کو دہلی میں رہ کر بھی دہلی کی زبان یاد نہ رہی! اور اب یو۔پی اور دہلی والوں کو "آئینی ذرائع" سے ثابت کرنا ہے کہ وہ اردو بول رہے ہیں، [illegible] نہیں ؎

تفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان حوادث کے دباؤ سے اردو زبان زوال کی طرف مائل رہی یا ترقی کی طرف؟ تاریخ شاہد ہے کہ اردو نے ان ناخوشگوار آزمائشی دوروں میں وہ تمام لسانی، ادبی اور علمی منازل طے کیں جو دوسرے ممالک کی زبانوں نے کئی صدیوں کے مسلسل منظم اور حاکمانہ تربیت کے بعد طے کئے ہوں!۔۔۔

اس زبان [illegible] پس منظر کے پیشِ نظر جب [illegible] بزمِ ادب نے "گل ریز" کے شائع ہونے پر ادارہ کو ہدایت کی کہ "گل ریز" کا بیشتر حصہ [illegible] ریاست کے لکھنے والوں [illegible] کے لیے وقف رکھا جائے تو [illegible] ہیں اس حیرت انگیز ہدایت کی تعمیل میں [illegible] ہوئی۔ [illegible] تجربہ [illegible] ہیں، جہاں کی [illegible]

زبان بھی اُردو نہیں، ایک انوکھا اور تعجب خیز اقدام تھا لیکن ہمارے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب ریاست کے سب اطراف و اکناف، یہاں تک کہ کشتواڑ اور لداخ ایسے دُور افتادہ علاقوں میں بھی ہمارے لائحہ عمل کو سراہا گیا اور ہر پُرخلوص ادیب نے اپنی بساط کے مناسب ہمارے ساتھ تعاون کیا جس کے نتیجے میں ہم پُوری پابندی کے ساتھ بزمِ ادب کی متذکرہ الصدر ہدایت کو بہ عمل لا سکے اور اس طرح پھر ایک بار ثابت ہو گیا کہ یہاں اُردو انتہائی کس مپرسی کے دور سے گذر رہی ہے وہاں یہاں اس کے شیدائی اس کی خدمت، فضیلت، ادبیت اور صلاحیت کو اُجاگر کر سکتے ہیں......

ہمارے ان نیک ساتھیوں میں سے ایک اچھی خاصی تعداد ان حضرات کی بھی ہے جن کی تخلیقات کو ہم چھاپ نہ سکے اور یہ ایک لازمی اور قدرتی امر ہے کہ وہ ہماری طرف سے برتی ہوئی "سرد مہری" پر انگشت بدنداں ہوں گے۔ ان ہی دوستوں اور ان کے ساتھ ساتھ چند معاونین کی طرف ہمارے آج کے موضوع کا روئے سخن ہے:۔

نثر نگاروں سے:۔

اوّل تو "گل ریز" کا دامن اتنا وسیع نہیں کہ ہر ماہ آنے والے تمام مضامین کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ دوئم اگر ناپسند مضامین میں صرف ادبی غلطیاں ہوتیں، تو ہم ان کی دُرستی کو بزمِ ادب کے اغراض و مقاصد کی تعمیل خیال کرتے (بشرطیکہ ہماری اصلاح کے بعد کاتب کی جدت ثانی اور پروف ریڈری کی اصلاح، "بارک اللہ کو بے خبر اکا پارکہ" نہ سمجھیں۔ اس ناخوشگوار وقوع کی تشریح شاید ابھی ہمارے پیشِ نظر ہیں!) لیکن جب مضمون کا عنوان، طرزِ تحریر، پیش کش اور مواد وغیرہ میں نثر نگار نے جدت کی سب راہیں طے کر لی ہوں، تو ہم با دلِ ناخواستہ سہ پنج گجا رہم کہہ کر ایسے مضامین کو "گل ریز" میں شائع نہ کر سکے۔ سوئم جن مضمونوں میں باتیں زیادہ اور مطالب چشم بددور قریب قریب مفقود ہوں یا تو خود اس قسم کے افعال مضامین میں زبان کی رُو سے بہت ہی کم نقائص کیوں نہ ہوں، ہم ان کو زیورِ طبع سے آراستہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں۔ نہ اس کے برعکس لفظوں کے محل طلسم میں قارئین کو پھنسائیں اور غیر شعوری طور تضیع اوقات کے پرچارک کہلائیں۔ چہارم جن مضامین میں تاریخی واقعات کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تھی ہم نے ان کی اشاعت کو اس لئے روکا تاکہ مشترکہ تذلیل کو دعوت نہ دی جائے۔ پنجم جن مضمونوں میں ہم حتی الاستطاعت "ادب برائے ادب" چھاپ سکے وہ بھی آج تک "قلمی" ہی رہے۔

ان تجربات کے پیشِ نظر ہم ایسے اُردو نثر نگار حضرات کی توجہ پھر ایک بار اس امر کی طرف مبذول کرتے ہیں کہ آپ عنوان کی پوری پابندی کا خیال رکھ کر ٹھیک اُردو میں کسی ادبی، تاریخی، معاشری الغرض بے ہودہ سیاست کے سوا کسی مسئلہ پر جو چاہیں، پوری ذمہ داری اور اختصار سے لکھیں اور لکھتے وقت یہ تصور کر لیں کہ علمی طبقوں میں آپ کی پیش کردہ چیز سے کیا ردعمل پیدا ہو گا ... ... ان لوازم کی نگہداشت آپ کی اصلاحِ حال کی کفیل ثابت ہو گی۔ اور پھر ہم نہ صرف آپ کے مضامین کو چھاپ دیں گے بلکہ فخراً اقرار کر سکیں گے کہ رسالہ "گل ریز" نے ہمارے ملک میں اُردو کی نشو و نما اور نشر و اشاعت میں ۔ اگر زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ ستیز کا عملی نمونہ پیش کیا۔

شعراء سے:۔

آپ کے زمرہ میں سے جن حضرات کا کلام ہم طبع نہ کر سکے ان کے زاویہ نگاہ سے اس فروگذاشت کی شکایت دُرست لیکن ہماری نظر میں بے بنیاد ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کشیر بزمِ ادب کے بھی چند متعینہ قواعد و ضوابط ہیں جن سے انحراف کر کے ہماری ادبی تنظیم کھوکھلی رہ جائے گی۔ ان شعراء کے کلام میں چند ایسے نقائص پائے گئے جن کی

اصلاح سے نظم کا ڈھانچہ ہی تبدیل کرنا پڑتا ہے جو ہم سے اس لئے نہ ہو سکا کہ پھر یہ نظمیں ان شعراء کی تخلیقات ہی نہ رہتیں مثال کے طور جہاں ہم نے مذہبی منظومات میں قُتل اعوذیت کی تبلیغ یا صرف اعتذار پسندی، متصوفانہ نظموں میں خالص پیر پرستی یا عقائد نمائی، جمالیاتی غزلوں میں "دل ہے سُندری، دل ہے آم" ـــ قسم کی یہ سُود آہ و زاری اور سماجی اشعار میں پروپیگنڈا، سب و شتم اور فساد کو نمایاں پایا۔ یا جہاں ہم نے ادبی قطعات میں غیر مربوط خیالات کی کھچڑی اور غیر مانوس الفاظ کا پلندا دیکھا تو ہم نے ان بھانت بھانت کی بولیوں کے ذریعہ رسالہ کے معیار کو گرنے سے بچایا۔ اس سلسلے میں ابھی ہم اپنی معذوریت کا جواز ڈھونڈ ہی رہے تھے کہ ہمارے پاس آزاد شاعری (بلینک ورس) کا کئی ایک بھاری بھرکم بقچہ جمع ہو گیا جن میں عروضی قواعد کو بیک اشارۂ ترقی پسندی بقول کسے "کوئٹ انڈیا" کیا گیا ہے۔ ان شاعرین سے ہماری گذارش ہے کہ جب بلینک ورس لکھنے والے شیکسپیر کسی زبان میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ اپنی شخصیت، انفرادیت اور انانیت منوا کر ہی عالم بقا کو سدھارتے ہیں۔ فی الحال آپ اس بادہ دانی کو ہماری قدامت پروری سے تعبیر کیجئے یا خلیل[1] بن احمد کی روح کو اثر آفرینی کہہ لیجئے

اکاسٹھ باسٹھ ترسیٹھ۔ چونسٹھ پینسٹھ۔ چھیاسٹھ قسم کی "موزون شاعری" کو بھی چھاپنے سے قاصر ہیں چہ جائیکہ وہ "ابیات" جہاں ردیف، قافیہ اور بحر کو محض اس لئے ترک کر دیا گیا ہو کہ نو خیز "آزاد شاعر" نے ان کی رعائت کو بھی کسی فرسودہ نظام کی یادگار سمجھ لیا ہے۔ ہم ان دوستوں کو مشورہ دیں گے کہ اگر آپ علم عروض کے لوازم کو مدِ نظر رکھ کر شاعری کریں گے تو کم از کم کشمیر میں بہت کم قلم کار اس نیک تقلید کو رجعت پسندی سے تعبیر کریں گے۔

معاونین سے :-

آپ کو چند باتوں کا علم تو ہے لیکن بشریت کی سبب آپ ان کو کبھی کبھار بھول بھی ڈالتے ہیں، مثلاً یہ کہ "گُل ریز" کو کسی حکومت کا دستِ شفقت تھپکی نہیں دیتا۔ "گُل ریز" کسی جاہ پسند ادارہ کا آرگن نہیں کہ مالی امداد کی توقع پر اُن اشخاص کو اُچھالے جن کی شخصیت تاریخی زاویہ نگاہ سے مستحق توصیف نہیں۔ "گُل ریز" اشتہار بازوں کے ذریعہ آمدن کو محض اس لئے قبول نہیں کرتا کہ ادبیات عالیہ کے ساتھ فحش، فریب انگیز اور زرگرانہ اشتہاروں کی طباعت و اشاعت قریب قریب ادب کی توہین ہے (یہ امتیاز تمام رسائل میں سے "گُل ریز" کے حصے ہی آیا ہے!)۔ "گُل ریز" گندھی سیاست کے گندے کھیل کا کھلاڑی نہیں کہ اپنے کرتب کو ہی ذریعہ زندگی سمجھے۔ چنانچہ ان ہی مشاہدات کے پیش نظر عوام نے بالعموم اور ارباب ادب نے بالخصوص اس رسالہ کو پہلے ہی سال کے اندر اندر ان تمام عنایات سے نوازا جو ایک نو زائیدہ مجلّہ کی بنیاد کو مستحکم کر سکیں۔ لیکن چند حضرات نے اس ادبی مہم کی تدریجی تعمیر کے لوازم کو ذہن نشین نہیں فرمایا۔ مثلاً یہ کہ (الف) ہر رسالہ کی مالی زندگی ہر سال شروع ہوتی ہے (ب) ایک ماہ پہلے ان معاونین کی خدمت میں سالِ آئندہ کا زرِ چندہ بھیجنے کی خاطر اُسی شمارہ کے ساتھ دفتر سے چٹھی بھیجی جاتی ہے جو شمارہ ان کے زرِ چندہ کا آخری پرچہ ہو۔

(ج) ایک ماہ تک اگر زرِ چندہ دفتر کو وصول ہو جائے تو رسالہ سالِ آئندہ تک جاری رہ سکے گا اور اگر خدانخواستہ

---

[1] علم عروض کا موجد

آپ دستی یا بذریعہ منی آرڈر زرِ چندہ بھیج نہ سکیں تو اس صورت میں ایک کارڈ پر اپنی معذوریت لکھ کر دفتر کو مطلع کیا جا سکتا ہے تاکہ "گل ریز" کا وی، پی، پی روکا جائے۔ ورنہ وی، پی، پی کے واپس کیے جانے پر آپ کا رسالہ خسارہ کا شکار ہوگا جو کسی بھی ادب نواز معاون سے متوقع نہیں۔

(د) منی آرڈر کے ساتھ اگر آپ ایک کارڈ بھی لکھیں جس میں زرِ چندہ کی ترسیل، پتہ اور ڈاک خانہ کا تذکرہ ہو تو اس سے فینانس اور ادارہ کے ریکارڈ میں سہولت پیدا ہوگی۔

(ہ) آپ کے ہر پرچے پر اور ہر پرچے کے اوپر پتہ کے ساتھ ہی آپ کا نمبر خریداری لکھا جاتا ہے، اس کے حوالے کے بغیر آپ کی پوچھ پاچھ کی جانچ پڑتال ناممکن ہے۔

(و) جن اصحاب کو جس ماہ کا پرچہ نہ ملے وہ دوسرے ماہ کی پندرہ تاریخ تک دفتر کو مطلع کریں تاکہ ان کے پرچہ کا کھوج نکالا جا سکے۔

(ز) اور یہ کہ آپ پر ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر "گل ریز" یہاں کی ادبی نشاۃ ثانیہ میں سچ مچ کوئی تاریخی پارٹ ادا کر رہا ہے تو اس کی خریداری بڑھانے کی طرف متوجہ ہو جائیے!

پروفیسر محی الدین حاجنی

کتاب الطواسین ـــــــ منصور الحلاج

طٰس السراج

(۳) مَا اَخْبَرَ اِلَّا عَنْ بَصِیْرَتِہٖ۔

(ترجمہ) اُنہوں نے جو کچھ پیغام پہنچایا۔ وہ اُن کی بصیرت سے عبارت تھا۔

(شرح) :- قوت باصرہ دراصل اس کیفیت کا نام ہے جو اہتزازات نور سے دماغ میں پیدا ہوتی ہے۔ خارجی اور داخلی ضروریات کے پیش نظر اس قوت، کا بیشتر حصہ مادی وسائل کا محتاج ہے۔ اس کے برعکس بصیرت انوار قلب پر منحصر ہے۔ جہاں حسی مدرکات بالکل عارضی نوعیت کے محسوس ہوتے ہیں۔ شاید امام محمد غزالی علیہ الرحمتہ نے اسی بناء پر ظاہری حواس خمسہ کے متوازی باطنی حواس خمسہ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ واردات قلبی نہ صرف ظاہری حواس سے بالکل بے نیاز ہیں۔ بلکہ جب دونو کیفیتوں کو شعور انسان کی الگ الگ منزلیں قرار دیا جائے۔ تو ظاہری حواس کی پیدا کردہ "دانائی" باطنی حواس کے مقابل ایک ادنیٰ ماحصل سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔

زمن گیر اینکہ مردے کور چشمے ‌ ‌ ‌ ز بینائے غلط بینے نکوتر
زمن گیر اینکہ نادانے نکوکیش ‌ ‌ ‌ ز دانشمند بے دینے نکوتر

اسی پر بس نہیں۔ بلکہ عالم قلب کے تمام اعراض و کوائف نام کے سوا کسی صفت میں عالم آب و گل سے مشابہ نہیں ہے

فروغ دانش ما از قیاس است ‌ ‌ ‌ قیاس ما ز تقدیر حواس است
چو حس دیگر شد ایں عالم دگر شد ‌ ‌ ‌ سکون و سیر و کیف و کم دگر شد

اسی "عالم دگر" کی انتہائی منزل (نبوت) پر فائز ہو کر آنحضور صلعم نے عالم آب و گل کو وہ پیغام سنایا جس کا ہر لفظ "ما ینطق عن الھوی بل ھو وحی یوحی (وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں فرماتے۔ بلکہ ان کا فرمان وحی الٰہی ہے) کی تفسیر ہے اور اسی پیغام برحق میں الحلاج کو ؎

بخود گم بہر تحقیق خودی شو ‌ ‌ ‌ انا الحق گوی و صدیق خودی شو

کا اشارہ ملا۔ جبکہ بصیرت نبویؐ سے متعلق اس نے کلام اللہ میں ما زاغ البصر و ما طغیٰ (ان کی بصیرت تجلی کے وقت پھری نہیں نہ حد سے بڑھی) دیکھ لیا تھا جس کو متصوفانہ اصطلاح میں مشاہدہ ذات پر گواہ لایا جاتا ہے۔

وَلَا اَمَرَ بِسُنَّتِہٖ اِلَّا عَنْ حَقِّ سِیْرَتِہٖ

(ترجمہ) اور انہوں نے اپنے طریقہ کار (کی پیروی) کا کوئی حکم نہ دیا۔ جبتک ان کی سیرت کی حقانیت اس پر (شاہد) نہ تھی۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب اُن سے اخلاق محمدیہ سے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ قرآن پڑھو۔ یہیں سیرتِ محمدیہ ملے گی۔ گویا ان کی پاک سیرت ارشاداتِ کلام اللہ کی طبعی تعمیل ہے۔ اور اس کا ہر شعبہ حیاتِ انسانی کے لئے ایک ابدی نمونہ ہے۔ اِنَّ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے) اس سے ثابت ہُوا کہ آنحضور صلعم نے جب بھی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا۔ تو پہلے خود اپنے قول پر عمل کیا، اور پھر اُمّت کو اتباع کا حکم دیا۔ جو لوگ اس برگزیدہ جماعت میں شامل نہ ہو سکے۔ ان کے کردار کی علامت عملی دُنیا میں یہ ٹھہری کہ وہ جو کچھ بولتے ہیں۔ اس پر عمل نہیں کرتے۔ اسی لئے وہ اپنے طریقۂ کار سے حق تعالیٰ کی ناراضگی خریدتے ہیں۔ (لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون) کلام حق کی حرف بحرف پیروی کے نتیجے پر شمع محمدیؐ کے پروانوں کو مامور کیا گیا کہ " آنحضور صلعم جس کام کے کرنے کا حکم کریں۔ وہ کرو۔ اور جس سے روک لیں اس کو ترک کرو" سے

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حَضَرَ فَاَحْضَرَ وَاَبْصَرَ فَخَبَّرَ وَاَنْدَلَّ فَحَدَّدَ۔

(ترجمہ) - وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے (کلام اللہ) حاضر کیا۔ اور انہوں نے (حق) دیکھا۔ پس خبردار کیا۔ اور انہوں نے (خود) رہنمائی کی۔ پھر حدود (شریعت) معیّن کر لئے۔ (الحلاج) اس شذرہ کے ابتدائی فقرات میں ایک فقیہہ کا سا انداز اختیار کرتا ہے۔ اور پھر عشقِ رسول میں اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ کلام میں اچانک انتہائی درجہ کا ایجاز پیدا ہوتا ہے۔ جس میں فقیہانہ طرز استدلال کچھ ڈھیلا سا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ " وہ حاضر ہوئے۔ اور پھر انہوں نے حاضر کیا۔ یہاں اَحضَرَ کا مفعول ہی محذوف ہے۔ اسی طرح دوسرے جملے ("انہوں نے دیکھا") میں دیکھنے کا مفعول ہی مذکور نہیں۔ لہٰذا سیاق و سباق کے پیش نظر ہمیں ان فعلوں کے مفعول خود تلاش کرنے ہیں۔ سلوک میں یہ ایک عام واقعہ ہے کہ استغراق کی حالت میں سالک شدّتِ وجدان کی سبب انتہائی اختصار پر مجبور رہتا ہے۔ اور یہی طریقۂ اظہار علی العموم اختلافِ رائے کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ مسالک تصوف میں اختلاف کا یہی امکان افتراق کا باعث بنتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سے

رقابت علم و عرفان میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

الحلاج نے استغراق کے باوجود ان چھ الفاظ میں آنحضورؐ کے مشن کا خلاصہ ادا کر دیا ہے۔ بشرطیکہ ہم حضر سے بعثتِ رسول اور احضر سے کلام اللہ کی پیش کش۔ ابصر سے مشاہدہ حق خبر سے حق کی تبلیغ۔ اندلّ سے دین متین کی پیشروی، اور حدّد سے استحکام دین مُراد لیں۔

(۴) مَا اَبْصَرَهُ اَحَدٌ عَلَى التَّحْقِيْقِ سِوَى الصِّدِّيْقِ لِاَنَّهُ وَافَقَهُ ثُمَّ رَافَقَهُ لِئَلَّا يَبْقٰى بَيْنَهُمَا فَرِيْقٌ۔

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے ان کو فی الحقیقت نہیں دیکھا۔ کیونکہ وہ ان کے ہم نوا بنے اور

پھر رفیق کار — تاکہ ان دونوں کے درمیان کوئی اور نہ رہے۔

یہاں فخر موجودات کی ذات گرامی کے دیکھنے سے بحث ہے۔ بعثت سے قبل عیسائی راہب کو ان کے حلیۂ مبارک سے پتہ چلا کہ فارقلیط کا ظہور انہیں کی ذات گرامی میں ہوگا۔ بعثت کے بعد یہودی عبداللہ ابن سلام نے تورات کی پیشگوئیوں کا مصداق انہیں کو پایا۔ سر بر آرائے نبوّت ہو کر جہاں ابوجہل نے ان کو دیکھکر بھی انہیں ساحر گمان کیا۔ وہاں اویس قرنی نے جمال محمدؐ کو بچشم خود دیکھنے کی تاب ہی نہیں لائی۔ اور غائبانہ ان کی صداقت پر ایمان لائے۔ یہ تمام مشاہدہ کے مدارج ہیں

ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئ   نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست

لیکن ابابکر صدیق رضؓ نے صحف اولیٰ کی روایت یا ذاتی عقیدت کی بناء پر نہیں۔ بلکہ ذاتی مشاہدہ پر سب سے پہلے اس نور کو پہنچانا۔ جو ایمان کی بنیاد ہے

ایں سبق صدیق را صدیق کرد   سرخوش از پیمانہ تحقیق کرد

اور عمر بھر تقلید رسول صلعم میں بیدانہ وار وہ نمونے پیش کئے۔ جن کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو کُلی طور ذات محمدؐ یہ میں مدغم کر چکے تھے۔ سلوک کا یہی وہ درجہ ہے۔ جس کو الحلاج "ان دو کے درمیان کوئی اور فریق نہ رہا" میں بیان کرتا ہے۔ ایک طرف تو موافقت رسول صلعم میں بنی نوع انسان پر سبقت حاصل کی۔ دوسری طرف آنحضور صلعم کی مقدس زندگی کے نازک ترین دور میں تمام صحابیوں میں سے رفاقت کا شرف انہیں کے حصے میں آیا۔ اس واقعہ کا دائمی ریکارڈ ان کے لقب "ثَانِیَ الاِثْنَیْنِ" (دو میں سے دوسرا) میں آج تک موجود ہے۔ جس طرح غار ثور میں آنحضور صلعم اور ابابکر صدیق رضؓ کے درمیان اور کوئی انسان نہ تھا۔ الحلاج کی رائ میں اسی طرح سوز یقین میں صدیق اکبرؓ سے آگے کوئی امتی بڑھ نہ سکا

مقام شوق بے صدق و یقین نیست

یقین بے صحبت روح الامین نیست

عوارف المعارف میں حضرت جنید بغدادی سے منقول ہے کہ "حق الیقین یہ ہے کہ بندہ اس کے ساتھ متحقق ہو۔ یعنی غیب کا مشاہدہ یوں کرے۔ جیسے مرئیات کا عیاناً مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور غیب پر حکم کرتا ہے۔ تو غیب اسے سچی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ صدیق اکبرؓ نے خبر دی"

منتظر شوز نور "من بیر اپنی"   مژدہ برہم مزن تو خود نمانی

(۵) مَا عَرَفَهُ عَارِفٌ اِلَّا جَهْلُ وَصْفَهٗ۔

(ترجمہ) کسی عارف نے آنحضورؐ کو نہ پہچانا سوائے اس کے کہ ان کی توصیف میں اپنی جہالت کا اعتراف کیا۔

کہا جاتا ہے کہ سقراط سے کسی نے علم کی تعریف پوچھی۔ اس نے کہا کہ جو شخص اپنی جہالت جانتا ہے وہی عالم ہے۔ برعکس اس کے جاہل وہ ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے۔ ہو بہو یہی رائے علم معرفت میں صادق آتی ہے۔ کیونکہ علم کا ذریعہ اکتساب "خرد" ہے۔ لیکن

خرد بہر اید ظرفے ندارد

(باقی بر صفحہ ۱۴)

مولانا شمس الدین حیرت کاملی

نعت

دل شیفتۂ روی رسول مدنی شد — المنة للہ کہ مسافر وطنی شد

تا جلوۂ حسنت بگلستان زدہ حیرت — گل یاسمنی لالۂ حمرا سمنی شد

برگوش صبا قصۂ گل سخت گران است — تا دلبر ما شہرۂ بنازک بدنی شد

یٰسین لقب آں شاہد خوش پوش مزمل — شاہنشہ آفاق ز گل پیرہنی شد

آشفتۂ زلف سیہش مشک ختائی — دلخستۂ آں لعل عقیق یمنی شد

در زمرۂ عشاق کرا تاب و توان است — مفتون جمالش چو اویس قرنی شد

ہر حرف زگفتار تو ای شمس بمدحش
شکر شد و گوہر شد و در عدنی شد

غزل

ای چاک از قد تو گریبان نالہ ہا — خوں خوردہ از تحسیر روی تو لالہ ہا

ہنگام جلوۂ کہ بمستی نمودۂ — تحمل آزمای گرد سمندت غزالہ ہا

خوں گشتۂ خمار نگاہ تو بادہ ہا — قربان طراز گردش چشمت پیالہ ہا

کاری کہ اشک من برخ زرد من نمود — ہرگز بہ زعفران نکند سنگ ژالہ ہا

در شرح داستان غم عشق آں نگار — دارم ز دفتر دل مجنوں حوالہ ہا

میخانۂ کہ زمزمہ سنج بیان تست — شمع تجسم اند در انجا پیالہ ہا

ہر شام و صبح شمس بچشم گہر فشاں
دارد بیاد محشر قد تو نالہ ہا

تنہا انصاری

بچوں کی تقدیر والدین کے ہاتھ ہے

بچوں کی زندگی کا ابتدائی اور قیمتی زمانہ والدین کی نگرانی میں گزرتا ہے۔ یہ وہ نازک اور بیش قیمت دور ہے جس میں بچے وہی کچھ بن سکتے ہیں۔ جو اُن کے والدین چاہتے ہوں۔ اصل میں والدین ہی دُنیا میں بہترین آدمی پیدا اور بہترین قسمیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنی اس اہم ذمہ داری کو محسوس کریں۔ وہ والدین جو اپنے اندر اس ذمہ داری کا احساس پیدا نہیں کرتے۔ اور اپنے دماغوں سے بچوں کی دُرست تربیت کرنے کا کام نہیں لیتے۔ اُن کی اولاد عام طور پر بُزدل، وہم پرست، ضدی، جاہل اور دوسروں کی محتاج ہُوا کرتی ہے، اُن میں انسانی صفات اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہونے کے برابر پائی جاتی ہے۔ اس قبیل کے افراد قدم قدم پر زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ اور یوں لازماً وہ سوسائٹی کے لئے باعثِ مصیبت بن جاتے ہیں۔ ان کے اور سماج کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا ہوکر رفتہ رفتہ وسیع ہوتی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ آگے جاکر زندگی کے کھیل میں بازی ہار بیٹھتے ہیں جس کا الزام بعد میں تقدیر کے سر تھوپا جاتا ہے۔ حالانکہ تقدیر کا اس میں نہ دخل ہے نہ قصور! قصور ہے تو والدین کا جو فرض ناشناس بن کر اپنے بچوں کی تقدیر اپنے ہاتھوں بگاڑ لیتے ہیں۔ بچے اپنے فطری تقاضوں کے زیرِ اثر بچپن میں اپنے والدین کی ہر حرکت کی نقل کرتے ہیں۔ اُن کے چال چلن، طرزِ گفتگو، نشست و برخاست، اخلاق و عادات کا عکس دن بدن بچوں میں گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اس دَور میں بچے اپنے سامنے پڑی ہوئی اشیاء اور گزرتے ہوئے واقعات کا نفع و نقصان، اور اچھائی اور بُرائی معلوم کرنے کے اہل نہیں ہوتے۔ ایک بچہ اپنے سامنے دہکتے ہوئے سُرخ انگارے کو خوبصورت کھلونا سمجھ کر ہاتھ میں اُٹھا لینے کو دوڑتا ہے کچے اور سڑے ہوئے پھل مُنہ میں ڈالنے سے نہیں جھجکتا۔ ایسے موقعوں پر والدین ہی بچوں کو اچھائی اور بُرائی سے آگاہ اور خطرے سے باہر کر سکتے ہیں۔ اور اپنی بروقت اور مناسب نگرانی اور اچھی تربیت سے ان میں اچھی عادات و صفات پیدا کر سکتے ہیں

اچھی تربیت سے مُراد یہ نہیں کہ بچوں کو مکلّف خوراک کھلائی جائے قیمتی کپڑے پہنائے جائیں۔ یا مدرسے تک کتابیں اُٹھانے کے لئے نوکر اور گھر پر پڑھانے کے لئے بڑی تنخواہوں والے اُستاد رکھے جائیں۔ اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بچے اس قسم کی سہولتیں رکھتے ہوئے بھی آئندہ زندگی میں بودے اور نکمّے ثابت ہوئے۔ اچھی تربیت کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سچ بولنے اور صاف و پاک رہنے کا عادی بنایا جائے۔ اپنے بزرگوں، ہمسایوں اور پڑوسیوں کی عزت کرنا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آنا سکھایا جائے۔ انہیں محنت و مشقت کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔ ان کے فکر و نظر کو آزاد چھوڑ کر انہیں درست رائے قائم کرنے اور دُور رس نگاہ پیدا کرنے کے قابل بنایا جائے۔ اُن میں خودداری اور ذاتی اعتماد کا جذبہ پیدا کیا جائے اور زیادہ احتیاط اس بارے میں کی جائے کہ ان میں خوف، بزدلی اور وہم پیدا نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہ چیزیں دیمک کی طرح زندگی

کو چاٹ جاتی ہیں۔

بچے بہت سی کار آمد اور مفید قوتیں ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن خوف، بزدلی اور وہم لے کر نہیں آتے۔ یہ قباحتیں والدین اُن میں خود پیدا کرتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب بچے گھر میں شرارتیں کرتے ہیں۔ تو اُنہیں "چُپ رہو۔ ورنہ ابھی مدرسے بھیج دیں گے"۔ "بلّی آئی۔ ابھی تمہیں کھا جائے گی" کہہ کر ڈرایا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی "ماسٹرجی" کو ہوّا بنا کر روتے ہوئے بچوں کو چُپ کرایا جاتا ہے۔ "مدرسے" "بلّی" اور "ماسٹرجی" کا نام سُن کر ہی بچے اپنے سامنے ہولناک خیالی بلاؤں کی ڈراؤنی تصویریں پھرتے دیکھ کر لرز اُٹھتے ہیں۔ یہ والدین کی پہلی حماقت ہے۔ جو وقتی طور پر بچوں کو خاموش کرانے کے لئے اُن میں ہمیشہ کے لئے خوف، بزدلی اور وہم پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے بچے مدرسے جانے سے بہت پہلے "مدرسے" کے خوفناک تصوّر سے اور تنہائی میں راستہ چلتے ہوئے "درخت" "کُتّے" "بلّی" وغیرہ کے نام سے کانپ اُٹھتے ہیں۔ شام کے جھٹپٹے میں گھر کی دہلیز سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے۔ ایسے بچے زندگی میں کیا بن جائیں گے۔ آپ اس کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ والدین کی اس اُلٹی تربیت اور غیر نفسیاتی ہدایتوں کے طُفیل ان میں بہادری اور مُشکلات کا سامنا کرنے کی کوئی اہلیت باقی نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کی نامکمل زندگی ناکارہ بن جاتی ہے۔ جس کے ذمہ دار صرف ان کے والدین ہی ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح اکثر والدین اپنے بچوں کی ہر بات اور ہر کام میں اپنے خیالات اور اپنے فیصلے ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ اپنے ذہنی معیار سے ان کے ذہن کو ناپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے زاویہ نظر کو اپنے زاویہ نظر سے بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش کی دُنیا اور ماحول کے متعلق سوالات پوچھیں۔ تو اُنہیں زبردستی چُپ کرا کے ان کی جبلتِ تحقیق و استفسار کو موت کے گھاٹ اُتارا جاتا ہے مختلف تعمیری مشاغل میں دلچسپی کا اظہار کریں۔ تو ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ غرض والدین کی اس غیر قدرتی حرکت سے بچے اپنے ضمیر، دماغ اور خیالات کی آزادی کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ دوسروں کے دماغ، افکار اور عادات کے غلام بن جاتے ہیں۔ اُن کی یہ غلامی بتدریج راسخ ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ بڑے ہو کر بے جا رسوم و قیود اور دوسروں کے خیالات کا غلام ہو کر ایک "مجبور زندگی" گزارتے ہیں۔ اگر زندگی "حرکت" اور "آزادیٔ فکر و نظر" کا نام ہے تو ان کی زندگی زندگی کہلانے کی مُستحق نہیں۔

بچوں کی زندگی کو ناکام بنانے میں "احساسِ کمتری" کا بھی زبردست دخل ہے۔ اور یہ بچوں میں بار بار کی ڈانٹ ڈپٹ، جھڑکنے اور توہین کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ غیر مُتحمل اُستاد اور کوتاہ نظر والدین اکثر بچوں کو بات بات پر جسمانی سزائیں دیتے ہیں۔ ڈانٹ ڈپٹ بتاتے ہیں۔ ان کو جھڑکتے ہیں۔ ان کی بے عزتی کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا لحاظ کرتے ہیں نہ احترام۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مِصداق بچے یہ مار پیٹ۔ یہ بے عزتی۔ یہ توہین چار و ناچار سہہ لیتے ہیں۔ جسے دیکھ کر ایک طرف سے اساتذہ، اور دوسری طرف سے والدین یہ سمجھتے ہیں کہ بچے سُدھر گئے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں کہ اُن کے بچوں کی شخصیت آہستہ آہستہ فنا ہوتی جا رہی ہے۔ وہ غریب اپنی نگاہوں میں آپ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پُوری طرح "احساسِ کمتری" کی زد میں

آکر زندگی کے اصلی جوہر یعنی خودداری سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور اس طرح ان میں آگے جا کر وہ عیوب اور خامیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جن کی بنیاد شکست خوردہ ذہنیت، پست خیالی اور خوف پر ہوتی ہے۔ جن افراد میں یہ نقائص پیدا ہو جائیں۔ وہ کوئی ایسی قوم تشکیل نہیں دے سکتے جس کا حال اور مستقبل تابناک ہو۔ غرض جو والدین اپنے بچوں کو ڈرا کر، دھمکا کر، سزا دیکر، شرمندہ کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان میں اچھے اخلاق پیدا کرنے، اور ان کی اچھی تربیت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اصل میں اپنے آپ کو ایک مہلک غلط فہمی کے حوالے کر کے اپنی اولاد، قوم اور ملک کے حال اور مستقبل کو وہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ جس کی تلافی کسی صورت میں بھی ممکن نہیں۔ ایسے والدین نئی نسل میں خوف، احساس کمتری، جذبات شکست اور سفلی عادات پیدا کر کے زندگی کے بڑھتے ہوئے کاروان کی چال میں سستی پیدا کر رہے ہیں۔ وہ ننگی، بھوکی، مفلس، ناکام اور ذلیل زندگیوں کو جنم دیتے ہیں۔ ایسی زندگی قدم قدم پر چیختی چلاتی، روتی اور سسکتی نظر آتی ہے۔ اپنے اندر کوئی انفرادی یا قومی کریکٹر پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اخلاقی قدروں سے ہٹ کر انسانیت سے بیگانہ ہوجاتی ہے۔ اس قسم کے کوتہ اندیش والدین بلاشبہ اپنے بچوں کے ساتھ ملک و ملت کی تقدیر بھی بگاڑتے ہیں۔ اور تقدیر کی غلط تاویل کر کے تقدیر کو کوستے ہیں۔

برعکس اس کے جن بچوں کو والدین شروع ہی سے نڈر، بے باک اور خاص حدود کے اندر آزاد رہنا سکھاتے ہیں۔ جن کے ضمیر اور دماغ کو سوچنے اور سمجھنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ جنہیں اپنے بڑوں کی تعظیم، ہمعصروں سے محبت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ مساوات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جنہیں صفائی، سچائی، شرافت اور خلوص کو اپنا مطمح نظر بنانے کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اپنے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے آزادی دی جاتی ہے۔ اپنے رجحانات اور نقطہ نظر کے اظہار کا موقع دیا جاتا ہے۔ جنہیں غلطیوں پر خواہ مخواہ سزا نہیں دی جاتی۔ اور جن کی توہین نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ ان کی شخصیت کا احترام کرتے ہوئے خندہ پیشانی سے جن کی مناسب اصلاح کی جاتی ہے۔ جنہیں مدرسے اور استاد سے نہیں ڈرایا جاتا۔ جن میں خوف، کمتری اور مجبوری کا احساس پیدا نہیں کیا جاتا۔ اور جنہیں ابتدا ہی سے مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اپنی جد و جہد جاری رکھنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ وہی کارزار زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کی دنیا میں آزادی اور خوشحالی پائی جاتی ہے وہاں ہر شخص اپنے حال میں خوش دکھائی دیتا ہے۔ کوئی کسی کا دست نگر نہیں ہوتا۔ اصل میں ایسے ہی افراد تو قوموں اور ملکوں کو آزادی کی دولت سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ ان خوش نصیب انسانوں کی تقدیر بلند اور شاندار بنانے والے ان کے والدین ہی ہوا کرتے ہیں اسی قسم کی اولاد نے آج تک اپنی مختلف قسم کی تخلیقات سے آب و آتش اور خاک و باد پر قابو پانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ ان کی ایجاد و اختراع کے بدولت آج ہم زمان و مکان کے فاصلے کو کم سے کم ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

یہ مسلم ہے کہ والدین اپنے بچوں کی زندگی کے معمار ہیں۔ وہ جیسی زندگیاں چاہیں بنا سکتے ہیں۔ جس سانچے میں چاہیں انہیں ڈھال سکتے ہیں۔ اور اس کا بہترین وقت بچوں کا زمانہ طفولیت ہے۔ والدین کو اس بات کا علم ہوجانا چاہیئے کہ بچوں کی تقدیر کیا، ساری دنیا کی تقدیر ان کے ہاتھ میں ہے اور انہیں بچوں کو اچھی تربیت کرنے کے فرائض اوائل سے ہی نہایت باریک بینی

مستعدی اور ہوشیاری سے انجام دینے چاہئیں۔ آنے والی نسلوں اور کل کی بننے والی قوم کی قسمت کا بننا اور بگڑنا والدین کی عقل و دانش پر منحصر ہے۔

اکثر لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ "اچھی تربیت" کے لئے دولت اور سرمایہ کی ضرورت ہے۔ لیکن دُنیا نے آج تک جو مُفکرّ، مُوجد، اہلِ قلم، سائنسدان، سیاستدان، عالم اور مُدبّر پیدا کر لئے۔ ان میں سے اکثر امیر گھرانوں میں نہیں، بلکہ غریب گھروں میں پیدا ہوئے۔ وہ اگرچہ مادی ضروریات کے لحاظ سے تنگ رہے۔ لیکن اُن کے والدین نے ان کی درست تربیت کرنے اور ذہنی ضروریات فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

کتاب الطواسین

صفحہ ۹ کا بقیہ:-

آج بھی اتنا ہی حقیقت افروز تجربہ ہے۔ جتنا کہ الحلاج کے وقت تھا۔ کیونکہ ؎

خرد را از حواس آید متاعے　　فغاں ز عشق می گیرد شعاعے

خرد جزو را فغاں کل را بگیرد　　خرد میرد فغاں ہرگز نمیرد

..... فغاں عشق و عرفان کا ذریعہ حصول ہے۔ اور جس طرح فلسفے میں آئیڈیل تک انسان کی رسائی ناممکن ہے۔ اسی طرح عشق و عرفان میں تجربہ فغاں کا نتیجہ ہمیشہ ؎

تپیدن و نارسیدن فطرت ماست

رہا ہے...... ؎　　تپیدن و نارسیدن چہ لذتے دارد

خوشا کسے کہ دنبال محمل است ہنوز

...... معرفت رسول تصوف میں وہ مقام ہے جس کے بعد تمام منازل علوی پر نظر کھلتی ہے۔ الحلاج کا یہ جملہ عین حال ہے۔ کیونکہ ؎

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک

کہ در خود فاش بیند رمز لولاک

خدا اندر قیاس ما نگنجد

شناس آں راکہ گوید ما عرفناک

(باقی حاشیہ)

سید محی الدین قادری زورؔ

تعریف تنقید —————— مغربی علماء کے نزدیک

(اقتباس از روحِ تنقید)

مسٹر رابرٹسن لکھتے ہیں: "تنقید انسانی معلومات کے تمام شعبوں کے متعلق صرف مقابلہ کرنے یا خیالات کے ٹکرانے کے عمل کو کہتے ہیں" اور گاڈکن رقمطراز ہے کہ "کسی کام کے کرنے کے دو طریقوں کے درمیان موازنہ اصلی تنقید ہے۔" ولیم ہنری ہڈسن تنقید کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تنقیدی ادبیات وہ ہے۔ جو ادب کے متعلق لکھا گیا ہو۔ اور جس میں خواہ ترجمانی کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یا تعریف و توصیف کی یا تجزیہ و تشریح کی۔ شاعری ڈرامہ اور ناول بالراست ہستی سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن تنقید وہ ہے۔ جو شاعری، ڈرامہ ناول اور خود تنقید سے بھی بحث کرتی ہے۔" .... اناطول فرانس کی رائے میں بہترین تنقید نگاری وہی ہے۔ جس میں نقاد ان جہات کو بیان کرتا ہے۔ جن کو اس کی روح ادبی شہ پاروں میں طے کرتی ہے۔" چارلس سونبرن کا خیال ہے کہ سب سے مشکل اور سب سے اعلیٰ کام جو ایک نقاد کر سکتا ہے۔ یہی ہے کہ محاسن کو پہچانے۔ اور اس کے بعد اس امر کو دریافت کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کیوں اور کس طرح محاسن بن گئے۔" میتھیو آرنلڈ نے تنقید کے کس قدر ٹھیک معنی بتائے ہیں کہ "جس کو جانتے ہیں۔ اور جس کا دنیا میں خیال کر سکتے ہیں۔ اور اسی کو بہترین طریقہ پر معلوم کرنا اور انہی معلومات کے ذریعہ شگفتہ اور صحیح خیالات پیدا کرنا تعریف ہے" نیز "کسی چیز کا اسی حیثیت سے مطالعہ کرنا جو اس کو حاصل ہے" تنقید کہلاتا ہے" مشہور فرانسیسی نقاد سینٹ بیو نے اسی مطلب کو اور بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے" پڑھنا۔ سمجھنا محبت کرنا۔ اور دوسروں کو بھی اسی پر مجبور کرنا" تنقید کہلاتا ہے۔ سر والٹر رالے نے تو تنقید کے معنوں میں ایک عجیب ہی شان پیدا کر دی ہے۔ اس کا مقولہ ہے "تنقید مردہ مصنف یا مصنفات کو زندہ کرنا ہے" کیا فٹز جرالڈ کے مردہ کارنامہ ترجمۂ رباعیات عمر خیام میں سونبرن کی تنقید نے از سر نو جان نہیں ڈال دی تھی۔ ....

شاید تنقید کے معنی کی انہی اہمیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جان رسکن نے حکم لگا دیا تھا کہ "کسی نوجوان سے تنقید ناممکن ہے۔" ....

چہل اسرار

(جناب سید السادات امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی قدس سرہ العزیز)

نقاب غیرم اگر یکدم ز روئے خود براندازی　　ہزاراں بیدل از ہر سو در آیند در سر اندازی

ز یک پیچ سرِ زلفت دو عالم گشت عنبر بو　　اگر آں پیچ بکشائی ز سمن بر عنبر اندازی

ز شورِ جلوۂ حُسنت غُبارِ غیر ظاہر شُد　　گر از غیرت کُنی غمزہ غُبار از رہ براندازی

صدائی موکبِ عزمم نگنجد در ہمہ عالم　　گرم یکرہ بہ دشنامی عنایت بر سر اندازی

ز ظِلِّ ظُلمتِ صورت شوم در مسند معنی　　گر از راہِ کرم یکدم نظر در خاد و اندازی

جہاں زندانِ من گردد گرت یکدم ببیند دل　　نعیمِ جاں شود در زخ گرش غم در براندازی

کرامِ عالمِ علوی لِوائی رفعتم گیرند　　اگر یک نقطہ از نامم رقم در دفتر اندازی

علی با دردِ دل عمرے مُقیمِ خاکِ این در شد
مگر از دارُوے لُطفش دوائی در خور اندازی

محمد امین بچھ

ترجمہ چہل اسرار

اگر ایک لحظہ کے لئے تو غیرت کا نقاب اپنے چہرے سے سرکائے
تو ہزاروں بیدل ہر طرف سے اپنا سر جھکا کر آئیں گے

ترے سرِ زلف کی ایک گرہ سے دونوں عالم عنبر بو ہو گئے
(اور) اگر یہ گرہ کھول دو گے تو (گویا) عنبر پر سمن کی بارش ہو گی

تری تابشِ حسن کے جلوے (ہمارے لئے) غیرت کا غبار (یعنی حجاب) بن گئے
(لیکن) اگر تم غیرت سے ایک سرسری نظر کرو گے تو راستے کا یہ غبار سارا بیٹھ جائیگا

میرے ارادوں کا جاہ و جلال دو دنیاؤں میں سما نہیں سکتا
اگر تم مجھے حقیر یا بُرے نام سے ہی پکار کر عنایت سے سرفراز کرتے

میں صورت (مادی دنیا) کی ظلمات کے سایہ سے سنِ معنی (عالمِ حقیقت) تک پہنچونگا
اگر تو از راہِ کرم ایک لمحہ کے لئے میرے سورج کو مشرق عطا کر دے

دُنیا میرے لئے قید خانہ بنے گی اگر میرا دل تجھے ایک لحظہ کیلئے بھی نہ دیکھے
اور دوزخ میرے لئے جاں بخش نعمت ثابت ہوگا اگر وہاں ترا غم میرے ساتھ ہم آغوش ہو

عالمِ علوی کے فرشتے میری رفعتوں کی چادر کو تھام لیں گے
اگر میرے نام کا ایک لفظ بھی دفترِ معنی میں لکھا جائے

علی درد دل لے کر مدت سے اس آستانے پر مقیم ہے
شاید کہ ترے الطاف کے دار الشفا سے وہ دوائی شافی سے بہرہ ور ہو

شہ زور کاشمیری

دوست اپنی راہ تک

اپنی بزمِ شوق سے تیری جلوہ گاہ تک ناگوار تھی مجھے جنبشِ نگاہ تک

دشتِ عشق کا سفر گو سفر ہی تھا مگر بارِ قلب و روح تھی اکثر اس میں چاہ تک

کیا اُٹھان تھی مری آرزوئے قلب کی تیرے ظلم سے ترے لطفِ گاہ گاہ تک

ہے مقامِ قربِ غم، اور یہاں سے ہے فقط آس بھر کا فاصلہ اُن کی جلوہ گاہ تک

اُس جگہ ہے ضو فگن میری مشعلِ خیال جس جگہ ہے سرنگوں اوجِ مہر و ماہ تک

کی جنوں کی وسعتیں عشق نے عطا مجھے تیری دوڑ مدرسہ سے ہے خانقاہ تک

چشمِ بندہ ہوس کیسے دیکھتی اسے حسن حسن تھا فقط عصمتِ نگاہ تک

درمیانِ ذہن و دل نفس ہو کھڑا اگر ماسوا تراش ہے ذکرِ لا الٰہ تک

بزمِ اشتیاق میں خود ہی کو تلاش کر اُن کا انتظار کیا، دوست اپنی راہ تک

دردِ غم کی داستاں بس بھی کر کہ ہیں ابھی
صد ہزار تلخیاں کیفِ اشک و آہ تک

جناب محمد ابراھیم
(محکمہ ڈائریکٹر پبلیکیشن سرینگر)

سلطان زین العابدین کے کارنامے

نمرد آنکہ ماند است ازو سے بجائے
پل و مسجد و خوان و مہماں سرائے
(سعدی)

تاریخ کشمیر میں سلطان زین العابدین المعروف بڈشاہ ایک بڑے علم دوست حکمران کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اُس کی شہرت بہت حد تک اُن کارناموں کی وجہ سے ہے جو اُس نے اپنی اکاون (۵۱) سال دس مہینے اور تین دن کی حکمرانی کے دوران پبلک مفاد کے لئے سر انجام دیئے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں اگر کسی کو سلطان زین العابدین کے ساتھ مشابہت دی جا سکتی ہے تو وہ اُس کے ساٹھ ستر سال بعد ہونے والا بادشاہ شیر شاہ سوری ہے جس نے حکومت کا مقصد رعایا کی فلاح و بہبود سمجھا تھا۔ سلطان زین العابدین نے اپنے طویل دورِ حکومت میں ۸۲۷ھ مطابق ۱۴۲۳ء سے لے کر ۸۷۹ھ مطابق ۱۴۷۴ء تک لوگوں کی بھلائی کے بے شمار کام سر انجام دیئے، لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اخلاف کی بے پروائی کے سبب بہت تھوڑے محفوظ رہ سکے۔ ہمیں کشمیر کے اُن مورخوں کا ممنون رہنا چاہیئے جنہوں نے "احسان شناسی" کے جذبہ کے پیش نظر اس جلیل القدر اور عظیم الشان بادشاہ کے کچھ عمدہ کاموں کا حال قلمبند کر کے ہم تک پہنچایا ہے۔ سلطان زین العابدین کے یہ تاریخی کارنامے دُنیا پر یہ بات کھلے طور پر واضح کر رہے ہیں کہ کشمیری حکمران آج سے پانچ سو برس پیشتر جب کہ دُنیا کے بہت سے حکمران حکومت کے ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف تھے، اس امر کو بخوبی سمجھتے تھے کہ ایک مہذب اور ترقی یافتہ قوم کے بادشاہ کے فرائض کیا ہیں۔ ذیل میں سلطان زین العابدین کے اُن رفاہِ عام کے کاموں کی تفصیل دی جاتی ہے جو اُس نے اپنے دورِ حکومت میں سر انجام دیئے ہیں:۔

(۱) زینہ لنک یا زینہ ڈینب:۔ لنک یا ڈینب کشمیری زبان میں جزیرہ کو کہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا[1] جزیرہ ہے جسے سلطان زین العابدین نے سرینگر کشمیر سے ۲۵ میل بطرف شمال جھیل وُلر میں بنوایا تھا۔ مورخین کشمیر اس جزیرہ کے بنوانے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ پُرانے زمانوں میں یہاں سمبت نگر نامی ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ ایک زمانہ میں راجہ سدرشن نامی یہاں حکومت کیا کرتا تھا۔ یہ راجہ انتہائی فاسق اور بدکار تھا اور بادشاہ کی متابعت میں یہاں کے باشندے بھی فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس شہر میں ایک کمہار رہا کرتا تھا جو نہایت نیک سیرت اور پاک باز تھا۔ اُس نے لوگوں کو بُرے اور فحش کاموں سے باز رہنے کی تلقین کی۔ لیکن جب وہ نہ مانے تو اُس نے ایک دن لوگوں سے کہا کہ "تم اپنے بُرے افعال سے باز آ جاؤ، نہیں تو تم پر خدا کا غضب نازل ہو جائے گا اور تم سب پانی میں غرق ہو جاؤ گے"۔ لوگوں نے اُس کے کہنے کو دیوانہ کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ دوسرے دن کمہار نے پھر اُنہیں تنبیہ کی اور کہا کہ "اے لوگو! آج رات کو یہ شہر زمین میں دھنس جائے گا اور یہاں کے تمام باشندے پانی میں غرق ہو جائیں گے۔ اس لئے تمہیں چاہیئے کہ

---

[1] تاریخ حسن مطبوعہ جلد اوّل صفحہ نمبر ۱۵۲

تم اپنا تمام مال و اسباب اس شہر سے نکال کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرو۔" یہ ڈھنڈورا نصف رات تک پیٹتا رہا مگر بے سود! کمہار نے اپنا مال و اسباب دن کے وقت ہی یہاں سے نکال لیا تھا۔ دوسرے دن حسب پیشینگوئی سارا شہر پانی کے نیچے تھا۔ اس عام سیلاب میں ایک پتھر کا بنا ہوا مندر بھی زیر آب ہو گیا تھا۔ سلطان زین العابدین نے جسے جھیل وُلر میں ایک مصنوعی جزیرہ بنانے کا انتہائی شوق تھا، ایک دن سیر کرتے کرتے غوطہ خوروں اور ملاحوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ غوطہ لگا کر جھیل کی سب سے اونچی جگہ کا پتہ لگائیں۔ سلطان کے ارشاد کی تعمیل کی گئی اور سب نے یک زبان ہو کر اس سنگین مندر کا پتہ دیا اور کہا کہ موسم سرما میں جھیل میں پانی کی قلت کے وقت مندر کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ زین العابدین نے اپنی سیر کی کشتی ٹھہرا کر غوطہ خوروں اور ملاحوں کو مندر کا اندرونی حال معلوم کرنے کا حکم دیا جس پر انہوں نے کانسی کے دو[1] بُت مندر کے اندر سے برآمد کئے۔ سلطان نے اس جگہ جزیرہ کی بنیاد ڈالنے کی غرض سے گجرات کے طرز کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی کشتی پتھروں سے بھروا کر پانی کی تہہ میں ڈلوا دی اور پھر اس کے ارد گرد اور پتھر ڈلوا کر اسے جزیرہ کی موجودہ صورت میں تعمیر کیا۔ سلطان کے حکم سے جزیرہ کی بلندی پانی کی سطح سے اونچی رکھی گئی تاکہ سیلاب کے وقت اسے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو سکے۔ صاحب "بہارستان شاہی" نے اس جزیرہ کا طول و عرض تک قلمبند کیا ہے جو بوجہ طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے۔ جزیرہ کی تکمیل کے بعد سلطان زین العابدین نے اس پر دو عمارتیں، ایک شاہی محل اور دوسری مسجد تعمیر کروائیں اور ایک شاعر نے جزیرہ اور مسجد کی تاریخ تعمیر میں ذیل کا تاریخی قطعہ موزون کیا تھا۔ یہ قطعہ بہ ایام خواجہ محمد[2] اعظم دیدہ مری مصنف "واقعات کشمیر" کے وقت تک ایک پتھر پر کندہ کیا ہوا موجود تھا۔

این بقعہ چو بنیاد فلک محکم باد ۔۔۔ مشہور بہ زینہ ڈینب در عالم باد
شہ زین عباد تا در او جشن کند[3] ۔۔۔ پیوستہ چو تاریخ خودش "خرّم باد"

ترجمہ:۔ "خدا کرے کہ یہ بقعہ آسمان کی بنیاد کی طرح مضبوط رہے اور دنیا میں ہمیشہ زینہ ڈینب کے نام سے مشہور رہے۔ شاہ زین العابدین اس میں جشن کرتا رہے اور یہ اپنی تاریخ "خرّم باد" کی مناسبت سے دنیا میں ہمیشہ تر و تازہ رہے۔"

سلطان زین العابدین کی بنوائی ہوئی مسجد خستہ حالت میں ابھی بھی موجود ہے۔

ان دو عمارتوں کے علاوہ سلطان مذکور نے اس جزیرہ میں قسم قسم کے پھل دار درخت اور رنگ برنگ پھولوں کے پودے بھی لگوائے تھے۔ سلطان نے یہ جزیرہ نالہ پہرو اور نہر زینہ گیر کی کھدوائی سے بارہ برس پیشتر بنوایا تھا کیونکہ "لنک" کی تاریخ تعمیر "خرّم باد" ہے جو بحساب حروف ابجد ۸۴۶ھ ہوتی ہے اور نہر کی کھدائی کی "جوئے خرّم" ہے جو بحساب ابجد ۸۵۹ھ ہے۔

جزیرہ زینہ لنک یا زینہ ڈینب کی تمام مؤرخین کشمیر نے تعریف کی ہے۔ ان میں سے کشمیر کا سب سے پرانا مؤرخ جو غالباً "بہارستان شاہی" کا مصنف ہے، اس جزیرہ کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

"الحق در میان کولے بزرگ موضع باصفا و دلکش و منزلے پر ہوا و خوش معمور گشت کہ

---

[1] عدد نمبر ۵۰۔ [3] یہ مصرعہ تاریخ حسن کا ہے اور "بہارستان شاہی" میں یوں منقول ہے: "تا زین عباد اندران جشن کند"

در تمام کشمیر ہیچ گشت گاہ مانند او نظیر ندارد۔"

(۲) نہر زینہ گیر:۔ سلطان زین العابدین نے یہ نہر کشمیر کے علاقہ زینہ گیر میں جو بعد میں اس نہر کے باعث سلطان کے نام پر موسوم ہُوا، بنوائی تھی۔ اس کا منبع قصبہ بانڈی پورہ سے دو تین میل شمال کی طرف کامراج[1] میں واقع ہے۔ زینہ گیر کا خشک علاقہ اس نہر کی وجہ سے زرخیزی میں تبدیل ہو گیا۔ سلطان نے اس علاقہ کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے اس میں عالی شان عمارتیں اور باغات تعمیر کروائے تھے[2]۔ یہ باغات اور عمارتیں مرزا حیدر کاشغری متوفی سنہ ۹۵۷ھ کے عہد حکومت تک باقی تھیں[3]۔

سلطان زین العابدین نے علاقہ زینہ گیر کو مزید زرخیز بنانے کے لئے اس میں نہر زینہ گیر کے علاوہ "نالہ پہرہ" پر موضع پہرو سے بند لگوا کر اس سے لاکھوں روپوں کی لاگت سے مختلف نہریں نکلوائی تھیں۔ سلطان کی وفات کے بعد یہ بند ٹوٹ گیا اور اس نالہ نے رُخ بدل لیا۔ شاہان مغلیہ نے بھی اس نالہ کے رُخ کو بدل ڈالنے کی بے شمار کوششیں کیں جو سب بے سود ثابت ہوئیں۔ نہر زینہ گیر جب مکمل ہو گئی تو مختلف شعراء نے اس کی تاریخیں کہیں جن میں سے ایک ہی شعر محفوظ رہا ہے

؎ چو شد تعمیر آں جوئے گرامی خرد تاریخ گفتا "جوئے خرم"[4]

(۳) نہر لاری: تیسری نہر تھی جو سلطان زین العابدین نے دریائے سندھ لار سے دیارہ لری پہاڑ کے دامن کے نیچے جاری کروائی تھی۔ اس نہر کی کھدائی کا مقصد صفاپور کے آس پاس کے دیہات کو آباد کرنا تھا۔

(۴) نہر شاہ جوئے:۔ یہ بھی دریائے سندھ لار کی ایک شاخ ہے جو موضع نائلہ سے جدا ہوتی ہے۔ یہ نہر سلطان زین العابدین نے پرگنہ آردی کی آبادی اور دولت خانہ شاہی کے باغات کی سیرابی کے لئے کھدوائی تھی۔ یہ نہر سلطان کے دار الخلافہ نوشہرہ تک آ کر ختم ہو جاتی تھی۔ اسی نہر میں سے ایک نہر بعد میں جلال ٹھاکر کی اہلیہ لچھمہ خاتون[5] کے حکم سے شہر کی مسجد جامع تک لائی گئی تھی جو تاریخ میں نہر لچھمہ خاتون کے نام سے موسوم ہے۔ شاہان چغتائیہ نے اپنے دور حکومت میں اس نہر کی توسیع اور مرمت اچھی طرح کی اور اس نہر کا پانی باغ الٰہی، باغ بحر آرا، باغ گلشن، درشنی باغ عنایت باغ اور باغ ظفر آباد میں پہنچا کر کشمیر کو رشک فردوس بنا دیا تھا۔ سیف خاں نے اپنے باغ کے لئے اپنے عہد حکومت میں "نہر شاہ جوئے" کے پہلو میں ایک الگ نہر کھدوائی تھی جو اب معدوم ہے۔

---

[1] پُرانے زمانے میں کشمیر کو موجودہ دو حصوں، کامراج اور مراج (مراز) میں تقسیم کیا گیا تھا۔ سنسکرت زبان میں ان کی اصلیت کامراجیہ اور مڑو راجیہ ہے۔ عام آراء کے مطابق مراج سے کشمیر کا وہ حصہ مُراد ہے جو سرینگر میں دریائے جہلم کے دونوں کناروں تک پھیلا ہوا ہے اور کامراج سے وہ علاقہ مُراد ہے جو اس سے نیچے ہے۔ صاحب راج ترنگنی نے کامراج اور مراز کی تقسیم یُوں کی ہے کہ سری نگر میں حکومت جموں و کشمیر کے سرکاری دفتروں کا صدر مقام ان دونوں حصوں کی حد بندی کرتا ہے (اینشنٹ جیوگرافی آف کشمیر مصنفہ سر اورل سٹائن صفحہ ۱۳۳)

[2] واقعات کشمیر مطبوعہ صفحہ ۵۰۔ [3] ایضاً صفحہ مذکور [4] ۸۵۹ھ مطابق سنہ ۱۴۵۴ء [5] لچھمہ خاتون سلطان سکندر بُت شکن کے وزیر ملک سیف الدین کی بیٹی تھی۔ پہلے کسی والی ملک کے نکاح میں تھی اور بعد میں ملک جلال الدین کی زوجہ بن گئی۔ ملک صاحب اپنے زمانہ کے دلیروں میں سے تھے۔ لچھمہ خاتون نے اس نہر کے جاری ہونے کے دن عیدگاہ میں ۸۰ ہزار آدمیوں کو کھانا [دیا]۔ نہر قریباً ۳۰۰ برس تک جاری رہی (واقعات کشمیر صفحہ ۸۳)

(۵) سلطان زین العابدین کا پانچواں رفاہی کام زینہ بازار کی تعمیر ہے ۔ یہ بازار سرینگر کشمیر کے چوتھے پُل زینہ کدل سے شروع ہو کر نایدکدل تک پھیلا ہوا ہے اور آج تک پہلی آب و تاب کے ساتھ زینہ کدل اور بوہری کدل بازار کے نام سے مشہور ہے ۔

(۶) زینہ کدل :- یہ پُل سلطان زین العابدین نے اپنی تخت نشینی کے پانچ سال بعد ۸۳۱ھ مطابق ۱۴۲۷ء میں اپنے بڑے بھائی سلطان علی شاہ متوفی ۸۲۶ھ کی متابعت میں بنوایا تھا ۔ اس پُل کی لمبائی اور چوڑائی بالترتیب ۹۶ گز اور آٹھ گز تھی ۔ موجودہ وقت میں زینہ کدل شہر سری نگر کا چوتھا پُل ہے ۔ یہاں کے سات پُلوں ہیں ، جن کے نام امیرا کدل ، حبہ کدل ، فتح کدل ، زینہ کدل ، عالی کدل ، نواکدل اور صفاکدل ہیں[۱] اس پُل کی اہمیت دوسرے درجہ کی ہے اس پُل کی ازسرنو آخری تعمیر ۱۹۳۹ء میں ہوئی ہے ۔

(۷) نالۂ مار :- سلطان زین العابدین کا ایک اور اہم رفاہی کام "نالۂ مار" کی کھدائی ہے ۔ یہ نالہ نادہ پورہ کے پاس سے جھیل ڈل سے نکالا گیا ہے ۔ اس نالہ کی کھدائی کا مقصد شہر سرینگر کے متصل پرگنۂ اچھن کی کھیتیوں کو سیراب کرنا تھا[۱] ۔ یہ نالہ اب بھی شہر کے بیچوں بیچ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا گذرتا ہے ۔ سلطان زین العابدین نے شہر کے اندرونی حصوں میں لوگوں کی آمد و رفت کے لئے مختلف مقامات پر اس پر سات پُل بنوائے تھے جو آج تک موجود ہیں ۔ ان سات پُلوں کے نام یہ ہیں :- نایدکدل ، بوہری کدل ، صراف کدل ، کاوی کدل ، راجوری کدل ، کاوڈارہ کدل اور گرین کدل ۔

(۸) زینہ پور :- یہ ایک گاؤں ہے جو سلطان زین العابدین نے جنوبی کشمیر میں قصبۂ شوپیان کے متصل آباد کیا تھا ۔ سلطان نے اس گاؤں کی تعمیر کی طرف خاص توجہ کی تھی ۔ اس گاؤں کی خوب صورتی کو بڑھانے کی غرض سے بادشاہ نے یہاں عالی شان باغات اور محلات تعمیر کئے تھے ۔ سلطان کو زینہ پور کی ترقی کا اس قدر خیال تھا کہ اس نے قصبۂ شوپیان میں گذرنے والی نہر کا رُخ زینہ پور کی طرف کر دیا تھا[۲] ۔

(۹) سوپور اور پرسپور کا بند ۔ یہ سلطان کا ذاتی رفاہی کام تھا ۔ سلطان نے اس بند کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس میں اندرکوٹ اور موضع تاپر کے منہدم بُت خانوں کے پتھر استعمال کئے تھے ۔ اس بند کی تعمیر کے لئے سلطان نے موضع راوہ گام کا سارا مالیہ وقف کر رکھا تھا[۳] ۔

(۱۰) زیٹھی شہر یا شنکر آچاریہ مندر کی مرمت سلطان کا ایک اور رفاہی کام تھا جس سے اس کی رعایا پروری ظاہر ہوتی ہے ۔ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں یہ مندر انتہائی خستگی کی حالت میں تھا اور اگر اس کی مرمت کی طرف توجہ کی جاتی تو کشمیر کی یہ پرانی یادگار مٹ جاتی ۔ اس لئے سلطان نے اس کی مرمت کی طرف خاص توجہ کی اور پتھر کے چار ستون مندر کی گنبدی چھت کی حفاظت کے لئے کھڑے کروائے ۔ اس کے علاوہ بھی سلطان نے اور بہت سے ٹوٹے پھوٹے مندر ازسرِ نو تعمیر کروائے ۔ حسن[۴] لکھتا ہے :-

---

[۱] تاریخ حسن جلد دوم مطبوعہ صفحہ ۱۹۵ [۲] ایضاً ، ایضاً [۳] ایضاً ، ایضاً

[۴] تاریخ حسن جلد دوم مطبوعہ صفحہ ۱۹۷

"و بعضے منادر و بُت خانہ ہا کہ مجروح و شکستہ بُودند در ترمیم و تجدید آں ہا جہد بلیغ نمود۔
و بُت خانۂ زلیشٹی شور کہ بر فرق کوہ سلیمان موجود است خستگی آں را ترمیم کردہ
چہار ستون حجری برائے وقایہ سقف گنبد آں استوار نمود۔"

(۱۱) نوشہرہ کی تعمیر۔ سلطان زین العابدین کا نہایت ہی اہم رفاہی کام تھا۔ یہ بستی شہر سری نگر سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے۔ سلطان نے نوشہرہ کو سری نگر سے برابر کا درجہ دینے کے لئے یہاں عالیشان عمارتیں اور بازار تعمیر کروائے تھے۔ یہاں سلطان نے اپنے لئے ایک نہایت ہی عالی شان بارہ منزلہ عمارت بنوائی تھی جس کے ہر ایک طبقہ میں پچاس کمرے اتنے بڑے تھے کہ ہر ایک کمرے میں پانچ سو آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ عرفِ عام میں اسے راز دانی یا "زینہ ڈب" کہا جاتا تھا۔ یہ عمارت اپنے کمروں اور طاقوں کی بناوٹ کی وجہ سے دُنیا کا ایک عجوبہ تھی۔ سلطان نے اس دولت خانہ میں سندھ لار سے نہر شاہ جوئے صرفِ کثیر سے جاری کروائی تھی جو اس کے صحن کے بیچوں بیچ ہو کر گذرتی تھی۔ (اس نہر کا ذکر اُوپر آگیا ہے) یہ شاہی عمارت چک عہد حکومت کے ابتدائی زمانہ تک موجود تھی اور چک حکمرانوں کی آپس میں جنگ و جدل کے سبب یہ عمارت بھی منجملہ دیگر عمارتوں کے نذرِ آتش ہو گئی۔

(۱۲) سلطان زین العابدین کا ایک اہم رفاہی کام مدرسوں کا قائم کرنا ہے۔ اس غرض کے لئے سلطان نے نوشہرہ میں شاہی دولت خانہ کے متصل صرفِ کثیر سے ایک عالی شان مدرسہ کھولا تھا۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس مولانا کبیر تھے جو سلطان کے خاص اُستاد تھے۔ اس کے علاوہ بھی سلطان نے کشمیر کے مختلف اطراف میں اور بھی کئی مدرسے قائم کئے۔ زین العابدین کو تعلیم کے پھیلانے کے ساتھ ایک خاص اُنس تھا اور اس کا اظہار اُس نے علمائے، طلبا اور مدرسوں کے لئے وظائف اور جاگیروں کی عطائیگی کی صورت میں کیا تھا۔ سلطان زین العابدین نے علم کی اشاعت اور ترقی کے لئے لائبریریاں اور ریڈنگ روم بھی قائم کئے تھے۔ ان میں سے ایک لائبریری نوشہرہ میں دار الخلافہ شاہی کے متصل واقع تھی۔ اس میں عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں کی نایاب کتابیں جمع تھیں جن میں علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر قرآن "الکشاف" کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود تھا جو سلطان نے ایک کشمیری کاتب کو مدینہ منورہ بھیج کر مصنف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ سے نقل کروایا تھا۔ "بہارستان شاہی" کے مصنف کے بیان کی رُو سے یہ کاتب مدینہ منورہ میں اس تفسیر کی نقل کرنے کے سلسلہ میں کئی برس رہا تھا۔

(۱۴) سلطان کا ایک اور اہم رفاہی کام شفا خانوں کی تعمیر تھا۔ اس سلسلہ میں اُس نے مختلف ممالک سے شفاخانوں میں کام کرنے کے لئے بڑے بڑے حکیم اور طبیب منگوائے تھے۔ سلطان نے طب کی بہت سی نایاب کتابیں بھی دوسرے ممالک سے منگوائی تھیں اور کئی نامور اور مشہور حکیموں کو اپنے نام پر طب کی کتابیں لکھنے میں حوصلہ دلایا تھا۔ چنانچہ کتاب منصوری جو فارسی زبان میں طب کی ایک ضخیم کتاب ہے منصور بن محمد بن احمد نامی طبیب نے سلطان کے ایما پر لکھی۔ یہ کتاب عرصہ ہوا مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپ چکی ہے اور اس کے قلمی نسخے کشمیر اور بیرون کشمیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک قلمی نسخہ حکومت جموں و کشمیر کے محکمہ ریسرچ و پبلیکیشن کی لائبریری میں زیر نمبر ۵۲۵ موجود ہے۔

(۱۴) سلطان زین العابدین کا چودھواں رفاہی کام متعدد سڑکوں اور نالیوں کی تعمیر ہے۔ مزید سلطان نے مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے جابجا پختہ سرائیں بنوائیں اور شہر کی صفائی اور خوبصورتی کا نہایت اعلیٰ بندوبست کیا۔

(۱۵) زین العابدین نے ضروریاتِ زندگی بالخصوص غلہ کے نرخوں کو گرانی کی طرف خاص توجہ دی۔ تاجروں کو کڑی ہدایت دی تھی کہ وہ چیزوں کو بہت تھوڑے منافع پر فروخت کریں۔ سلطان نے غیر آباد زمینوں اور گاؤں کو آباد کرنے میں خاصی کوشش کی۔ غلہ کی فراوانی اور اشیائے خوردنی کا سستا پن جو سلطان کے عہد میں تھا حسنؔ[1] کے اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے:۔

"و در عہد وے کافۂ انام از خواص و عوام اہلِ ہنود و اسلام باوقاتِ خود را بہ امنیت و رفاہیت می گذرانیدند۔ و فراخیٔ معیشت و جمعیتِ خاطر و وسعتِ ماکولات و ارزانیٔ غلات در عہدِ وے چندانے بود کہ تشریحِ آں بتطویل انجامد۔"

(۱۶) سلطان نے مختلف ممالک سے ایسے پھل دار درخت اور اجناسِ غلہ منگوائے جن کی کاشت کشمیر میں اس سے پیشتر نہیں ہوتی تھی۔ اور جس[2] سے کشمیر کی زرخیزی بڑھ گئی۔

(۱۷) سلطان زین العابدین کا سب سے اہم اور آخری کارنامہ اپنے ملک میں غیر ملکی صنعتوں کو فروغ دینا ہے۔ اس سلسلے میں جلدگری اور کاغذ سازی کی صنعتیں، جو اُس نے سمرقند میں اپنی رہائش کے دوران دیکھی تھیں، اس ملک میں جاری کیں۔ صاحبِ واقعاتِ کشمیر[1] کی روایت کے بموجب سلطان نے اس غرض کے لئے اپنے ملک کے دو سمجھ دار آدمی سمرقند بھیجے جو کئی برس وہاں رہے اور کاغذ سازی[3] اور جلد سازی[4] کی صنعتوں میں مہارت حاصل کر کے کشمیر لوٹ آئے۔ ان کے علاوہ سلطان زین العابدین نے کشمیر میں صحافی یعنی خطاطی و نقاشی، قالین بافی، شمعدان سازی[5]، حکاکی اور مہرکنی وغیرہ کو خوب فروغ دیا[6]۔ سلطان نے کشمیری زبان کی موسیقی کو جدید سُروں اور نغموں سے مالامال کرنے کے لئے دیگر ممالک سے بڑے بڑے موسیقی دان طلب کئے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قابلِ ذکر مُلا عودی اور مُلا جمیل ہیں۔ یہ دونوں موسیقی دان سلطان کی خاص دعوت پر کشمیر آئے تھے۔ پہلا اپنے نام کی مناسبت سے عود بجانے میں اور دوسرا قوالی میں نہایت ماہر تھا۔ مُلا جمیل گانے بجانے کے علاوہ خطاطی اور نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا[7]۔

---

[1] تاریخِ حسن جلد دوم صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ۔　[2] صفحہ ۹۲، ۹۳ مملوکہ انڈیا آفس لائبریری لندن۔

[3] کاغذ سازی پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے دیکھئے میرا مقالہ "کشمیر کی صنعت کاغذ سازی" نشر شدہ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ء از ریڈیو کشمیر سری نگر

[4] سری نگر کشمیر میں "جلدگر" محلہ کا وجود اس وقت بھی اس صنعت کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔

[5] ایضاً، ایضاً الیٰ آخرہٗ

(۶) کشمیر میں ان تمام صنعتوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ملاحظہ ہو "واقعاتِ کشمیر" مصنفہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری و "بہارستان شاہی" ص ص ۹۲، ۹۳　[7] تاریخِ حسن جلد دوم مطبوعہ صفحہ ۱۹۸

ساقی

نہ پوچھو ہم جیتے ہیں کیوں کر تری رنگین دنیا میں
سسکتی زندگی ہے اور زباں خاموش ہے ساقی

یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے مرے ہاتھوں میں رعشہ ہے
یہاں سر فرطِ گریہ سے وبالِ دوش ہے ساقی

توقع تجھ سے کیا، تیری جفاؤں کی شکایت کیا؟
ستم ایجادِ گردوں بھی اذیت کوش ہے ساقی

سمجھ کر بادۂ گلرنگ پی لیتا ہوں خونِ دل
زباں خاموش زخموں سے جگر گلپوش ہے ساقی

جو ہے توفیق تھوڑی سی مجھے زہرِ ہلاہل دے
ترا کلبانگِ وعدہ بھی فریبِ گوش ہے ساقی

تھے وہ بھی دن کہ اپنے دل میں ہنگامے مچلتے تھے
ہوئی مدت کہ یہ کم بخت بھی خاموش ہے ساقی

وہاں خم اور یہاں قطرے ترا انصاف بھی دیکھا
یہ پامالِ ستم تنہاؔ تو دریا نوش ہے ساقی!

تنہا انصاری

مُسدّس حالی

بچایا بُرائی سے ان کو یہ کہہ کر — کہ طاعت سے ترکِ معاصی ہے بہتر
تورع کا ہے ذات میں جن کی جوہر — نہ ہوں گے کبھی عابد ان کے برابر

کہ وہ ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی — کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اُس سے اپنی پرائی — نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی

طلب سے ہے دُنیا کی گر یاں یہ نیت
تو چمکے گی واں ماہِ کامل کی صورت

امیروں کو تنبیہہ کی اس طرح پر — کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور تونگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر — بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور

نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اُٹھاتے نہ ہوں بے دھڑک گام ہرگز

تو مُردوں سے آئندہ تر ہے وہ طبقہ — زمانہ مبارک ہے جب تک کہ ایسا
یہ جب اہلِ دولت ہوں اشرارِ دُنیا — نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا

نہیں اس زمانے میں کچھ خیر و برکت
اقامت سے بہتر ہے اس وقت رحلت

دیئے پھیر دل ان کے مکر و ریا سے — بھر ان کے سینوں کو صدق و صفا سے
بچایا انہیں کذب سے افترا سے — کیا سرخ رو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک ان کو

کہیں حفظ صحت کے آئیں سکھائے — سفر کے کہیں شوق ان کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سجھائے — اصول ان کو فرماں دہی کے بتائے
نشاں راہ و منزل کا اک اک دکھایا
بنی نوع کا ان کو رہبر بنایا

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب — کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب — ہوئے روح سے بہرہ ور ان کے قالب
جسے راہ رو کر چکے تھے وہ پتھر
ہوا جا کے آخر کو قائم سرے پر

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت — ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت — نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

"آخر کار ۱۸۷۰ء میں سر سید مرحوم نے وہ قابل یادگار کام کیا جو اردو ادبیات میں ہمیشہ ان کے نام کو زندہ رکھیگا۔ یہ کام ماہوار رسالہ "تہذیب الاخلاق" کی اشاعت تھی۔ یہ وہ رسالہ ہے جس نے ہندوستان کے خوابیدہ علم و فن کو اپنی غیر معمولی نفسیات سے برما دیا، جس میں اردو کے "عناصر خمسہ" کی نشو و نما ہوئی اور "مسدس حالی" جیسی انقلاب انگیز کتاب اسی سبب شائع ہوئی تھی۔" (روح تنقید صفحہ ۲۱۔ سید محی الدین قادری)

پھُرُن دِل تھٲٹھ رٕ از مکر تہٕ ریا لرو
پزر تہٕ شعور تِم تھٲنٛدٕ تُن دِلن بٔرو

ژٕرو تہٕ الیوز ونہٕ نشس تِم رٹتھٕ لرو
عزّت لبہٕ تِمو از خدا تہٕ خلق ژٕرو

خدا اکتھ کران لیے خطر تِم سپدٕ پاک
اکی چھیہٕ کہ دِل گے تمن تا ابد پاک

تمن صحت رچھہٕ نوک آئین تمی ہلاو
دِلن تھٲنٛدنی تِم شوق سفر ترٕو

چھیہٕ کیاہ فائدہ در تجارت تمی بٕرو
اصولِ حکومت چھہٕ کیاہ؟ تِم تمن ہیوہ

تمی ہیوہ منزل تہٕ وت کتھٕ دِیانی
اُمّت رہبری گیہٕ تمن نشس ہیچھانی

تمن مثل مٔتھ، علمہٕ کوٗی تیوٗت اثر ییٚو
الیوز گارہ وُان وٕنی خدا ژھارہ وُن گو

ہجراوس عملن تیتھ ثت سبزر گو
ہر تن منز تمن رٕہ حکوی تِمہٕ اثر ییٚو

دسیل رٔدکران آس گمت یُسے کٔتھ
تمی شوٗبے روٗیس برابر لگت اُتھ

ہقوٗی اُمّتن لٔبہ پژٕھ پُر نعمت
ادا فوٗر حق گو نہٕ شمعِ رسالت

بندان ہُنز تمہ الیس نہٕ کانہہ زوٗز حجّت
تقوٗی دنیہٕ نشس تمہ تتہٕ بہٕ رخصت

تِمو وارث دِین ترٛٲوِی اُمّتا ترٛٲوٕ
یہ دُنیا تمن ہی نقہٕ رانی چھیہٕ رٕوٕ

✿ ✿ ✿

میرزا عارف

غزل

گٹہِ منز پھٹہِ یا رٹہ نورانس
یہِ چھُو انسانس پانس تام
صدر چہ ژھٹہِ وسہ رٹہِ وزدانس
یہِ چھُو اِنسانس پانس تام
دامہ اکہِ حیثیت نیدِ مے ومیخانس
دامہ کرِہ دانس دانس رامس
یا پھٹہِ ہیبہ رش وہم وگمانس
یہِ چھُو انسانس پانس تام
اسہ نوی چھُو انجام گل خندانس
وٹھ شوہی صدفن دانس دامس
کنہ (پتھر) لعل مند منز ڈور ویرانس
یہِ چھُو اِنسانس پانس تام
ازلس نہ ابدس ڈورِ دِورانس
زندگی چھہ لولہ دیوانس تام
منتو بجنو نوی چھہ شوب ویرانس
یہِ چھُو اِنسانس پانس تام
عارفس عاشقس ہا پیچہ دانس
ثنے چھس شاہ ہمدانس تام
کانک نیرِ ہی لگہِ نشانس
یہِ چھُو اِنسانس پانس تام

غلام نبی پرمے ٹینکاری
حاجن

کشمیری ادب میں معشوقہ کا تصوّر

(بسلسلہ سالنامہ "گُل ریز" صفحہ ۵۸)

جناب غلام نبی نے اس سلسلے میں پہلی قسط میں ۷۴ مثالی معشوقوں کا ذکر کیا ہے۔ آج اس فہرست میں اُنہوں نے ۲۶ اور جمع کئے ہیں۔

حیوانات

(۷۵) رازہ کمار (نجیبہ) (۷۶) رنگہ ول (ایک پھول یا رنگیلی) (۷۷) گوپال (۷۸) خمارہ ہُنز (مخمورہ) (۷۹) نِندرہ ہُنز (مست خواب) (۸۰) خاتون (۸۱) خوردہ سال (۸۲) پوشہ گونڈر (گلدستہ خورد) (۸۳) بدول جمال (پیکر حسن) (۸۴) ڈکُر (غنچہ سی) (۸۵) تنبُر (چنگاری) (۸۶) پھولئے (شگفتہ) (۸۷) راجہ رُنِ (ملکہ) (۸۸) نوش لب (عجب ملک کی معشوقہ) (۸۹) مس ناز (مست ناز کاکشمیری) (۹۰) زیبا نگار۔ (۹۱) مہرانگیز (۹۲) مائرِ مُنز (خوبصورت) (۹۳) پانٔ ژِھٹن (پانی ایسی نرم و نازک) (۹۴) ساوُن (پختہ کار) (۹۵) پُہٹِل کوُر (چرواہا کی بیٹی)

جمادات

(۹۶) لررہ مال (مرجان کا ہار) (۹۷) آز [illegible] آ [illegible])

نباتات

(۹۸) کونگ پہج (زعفران کے پھول [illegible]) (۹۹) بریر (بھید)

متفرقات

(۱۰۰) سنگر مال (طلوعِ صبح سے نور افشاں سرکوہ)

وہاب حاجن

چھکری

مسہ لر پوشن کرہ پیالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

اُلفتہ چھس نہ لفہ تہ خالہ
چھم زن گیمژ نالس رز

دیوان چھس یہ دیوان نالہ
پترہ گیہ لھم کر ہم ھسز

وُچھتہ آوارہ چھس کمہ حالہ
اسمان سینہم ڈائے گز

ہران زن ژ ہتھی دا چھس بالہ
زالت نارہ کمہ وُتھم سز

کرہ کیاہ نال چھم جل ہنجالہ
ذرہ کیاہ سینس چھُم درزوز

باغس فولمُت چھم از لالہ
ناگس پوشن ہیندہ مرکز

گاش آو خلقن چانہ اقبالہ
فلکن روشن گیہ گنبذ

کمخاب اطلس بیہ دوشالہ
وتھر یے قیمتہ مولہ لی گز

زرلعنت واقم ژارت والہ
قندز تہ دیبا زیبا تخز

شالہ بار باغس نہ لا زالہ
ہیرہ بون بوز خدّارن گرز

سینہ لانکر یہ پور دبہ کنی پیالہ
کلہ دالہ احساس چھی اشیز

زنبل مس چھی شہار کالہ
سنبل گلہ نی چھی داغ

سبزہ سان کردمے زہ والہ
منزہ کم بوگہ ہی گر شیوز

دودہ کیہ ہیرہ بہ برہ یہ پیالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

گل زان لجمژ چھس یہ زالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

وسہ نار چھُم نہ کیہ تاہ ژالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

کس نہ گا چھس مُولہ تہ مالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

لا چھس گھاٹن کوہ سنبالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

جگرس میانس گیہ پرہ کالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

عشقہ بیچان نن رزہ پان کھالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

ملکن چونی چھی قیل و قالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

وتہ نی چانین کرہ دسمالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

پارت کھرہ مم رنگہ بنگالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

نتہ مو زنہ ڈبہ رونقن ڈالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

چتہ مو داماہ چھی خوش حالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

پنبر زلہ وتھی ترمس پیالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

دل نت چانس چھک دُنبالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

وہاب بیتاب وُچھ کہ حالہ
یہ جان اسمانہ پیومت شرز

دیدارہ چانے سیٹھ سنبالہ
پتہ مولا لہ سالہ از

از قاضی کاشمیری

غزل

ہتے وِیس وننہ یارس گولنس ہے
متے نا پیٹھ لہ دارس کھولنس ہے

دپت کس زانہ تھوم شرمہ جگرس
ژھپت تراوِت ژلم مولہ وولنس ہے

بنت مہ آم زوٗ نہ جان ژہنت پیوم
سنت نب گوم عشقُن زولنس ہے

فولت یاولن گلت زن شاین مہ گو
چھلت دریاوسی منز وولنس ہے

رسہ رسہ گوم نیرت ذاتھم وُس
لسہ کتھ ہوشہ نہ حسہ ڈولنس ہے

کمہ یا کانہ تا بتہ تھہندن غمازن
تھوی ہم قاضین تہ زولنس ہے

غلام نبی پرے (شکاری)
حاجن

ٹھٹھہ ٹکۂ

اس مضمون کو پڑھکر معلوم ہوگا کہ کشمیری نظم میں مزاح کی کئی اصناف ہیں جن کو قلمبند کرنے کی طرف آج تک کسی نے دھیان ہی نہیں دیا ہے۔ اس شگفتہ بیان مضمون کو دیکھکر اغلب ہے کہ شائقین ادب اس کمی کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوں گے۔ (ادارہ)

(۱) ٹھس

(ل) شوس اکس اوس پھرنس گِنہ۔ اَپارِ ژایس تمبر۔ یہ کرُن بند تہٕ ژایش نالہٕ رِکن۔ نال کوُن بند تہٕ ژایش نرہ رِکن۔ نرٕ کرُن بند تہٕ ژایش تمبر دامنہ رِکن۔ کھتس شرارت تہ ژھٕنن پھرُن کرِٹ تہ لوٗین دور تہٕ وُن تنرہ کُن۔" اَژھ تہٕ وُن کپارِ اَژک"۔

(ب) شودہ جوراہ ہیٹھ روزدار۔ سحرٕ کھیک نہ گاش آو۔ اَکِ وُن رہیش کُن "قیامت بُلبُل بولِہ تُت تامت گو کھیوُن پیچُن بند" بیاکھ وُتھس "حال اَنتہ ژہ بجیرِہ آب وُن گُشس بیہہ افطارہ وقتہ آب ژھانڈنہ۔ بیک شودن اُنۂ بجیرِ آب۔ تہٕ تام وُنونس زِٹھ شودن۔ بِتس چلماہ افطارس پِٹھ تقاوُو سارِیے کامہ برونہہ کرِت۔ تمہ وقتہ کش آسہ ہیکت۔ دوئم شودن تھوُ چلم برِتھ۔ زِیٹھ شودہ وُتھس تھاوسہ تیوتگُل۔ یُت زِنہ افطارس پیٹھ لمہ نوُہی آسہ۔ باقی دوئم شودن تھود چلمہ رنیو تگل تہٕ زیٹھ شودہ وُتھس لاگتہ پانہ بلُبل تمسئی یوت چھا تگان چین چین تہٕ اَسہِ تگنہ۔ دوئم شودن کرٕ چین چین۔ تہ ہیتک جرس چُن افتابہ کھتنہ برونٹھو ہی۔

(۲) ٹرہ یا راد یا ٹھرونٹی گول یا دوُرہ

(ل) اَکھ شکاری (ہیپش شکارس گُتھ) اوترہ یلہ بہ شِکارس دراس وُلہِ یپارِہ ترادُم نظر تہ اَپارِہ آم بوزنہ اَکِش کُلِس پیٹھ ہاگرٕ لچھا۔ تہ ہرُم بندوق نۂ لوٗکُم ٹاس۔ نادِہ منز نرِٹ یلہ بو اَیور دوُنُش اتِہ وچھم اَرداہ گام لڑہ جو سیت ہاگر ڈوان۔ اَتنک حلقہ پریذیڈنڈن ٹھوُومُت پنن مکانہ

لوچھ، دفتر تہٕ کوآپریٹو وان ہاگرہ سیٹھ برتھ۔ یہ پرژھمک بیم ہاگرکمہٕ مار۔ صدر حلقہ وُتھم۔ تحصیل پریذیڈنٹن ادس ٹیٹوآلہ تاس ترووُمت وُلرس کُن تمی سیٹھ مُوٗدِ بیت ہاگرکہِ اُمیا ہیکو عنقریب ژور پانژ ساس کھار ہاگر دِلہِ شُوزِت! یہ کرٕ ژھوپہ تہٕ تُجھم ہاگر کھار تژہ ژنہ جی تہ آس گھرہ۔

بیاکھ شکاری:۔ یہ مور اوترہ اُنتر اَکھ تہٕ گھش کرِت ژنمس بڈٕ۔ چونکہ ژیرِ اوس گوُمت یہ دوپ اندرہ مازہ سی کرکہ اَز رانس زَڈ۔ یامت وانٹ گھوٗ) تہٕ امہِ منزہ دراوٗ اَکھ زندہ کیٖمس یُس زُن فیر کرِت دُڈان گو "نیا کشمیر زندہ باد" کران کران۔

(ب) پادشہن اُنکِ تھود شرط یُس یہ اَپزٕ دلیل دِنہٕ تس دِمہ پنُن کور تہٕ نصف پادشاہی واریاہ ژھٹہ رُس آی۔ مگر ساری سپدِ فیل۔ آخر آو گھوراہ اَکھ تہٕ تمہٕ دِپُنس "بوزِسہ دلیل، یہ ادس مول ٹاٹ وٲلِ کوم کران۔ مگر تیزھ دولت اُسس کہ چون مول اوس ہمیشہ پتہ پتہ آسان پتھ دوٗن ژوٗن پچھن۔ اَکھ دوہ چھو بان ہیارنس مارُس چھہ گژٕ پنٕن رنگان، یامت سُہ موُد تہٕ یہ آو ژنگس۔ صرف ژوٗد تُم کوکر جورا۔ یمہ نئی پیٹھ رودُس روز زمین آن بتامت یمن تُم آو۔ یہ ترووُمہ ڈوٗن مرہ، ڈوٗن مرِہ منز گیہ ڈوٗن جورا۔ دوہ دوہ وُچھان چھنس۔ کُکرٕن پیٹھ بڈ ڈوٗن گل جورا۔ ڈونیو سیٹھ برت۔ والان گوس ڈوٗن تہٕ تمہٕ پچھہ کھار تیل دراو یمن ڈوٗن۔ امی وریہ آو چانِس مارُس دُشمنا تہٕ ہوکہ لود تمہٕ سدرُوی، خزانہ نوجٕب پیٹھ۔ یلہ نرکنہ رودُس تہٕ پیپس ہیون گھرہ باد تہٕ آو حاجری کران۔ یہ ژھن بعادی ڈوٗن تُمسُندہ بابت ژیٹھن[۸۰] کرُوان رُوپین کنہ۔ یمہ دِیٗ روپیہ سیٹھ دِتمہٕ دُشمنس ژنگس۔ تان مُوٗد چون مول نہ تہٕ ژُود ژنس بنت حساب کرہ ٹھیے اگر یہ اَپزٕ چھو تہٕ دِتم پنُن کور تہٕ نصف پادشاہی۔ اگر اپز چھو تہٕ دِتم شبیت کرُو روپیہ، پادشاہ گو ژٕچھل تہ دِژنس کُوٗر پنٕن تہٕ نصف پادشاہی!

(۳) قوٗٹنگ یا نابہ ٹنگ

(ل) پوژہ لہتہ اَکِ لُوچھ کاوس اکھ ژامنِ ٹکراہ۔ تمہ گوس تہٕ کاوٕ ژوٗل تہٕ ہیوٗٹھ

اَکِس گُلِش پیٹھ ۔ پُوژہ لہٕ گوس گُلِس تَل تہٕ وُن نَس " مہ کیا حَض بُوزمُت چھُو ژہ ہیُو خوش آواز نہ وُٹھ پت کُن نہ آسہ بروٗنہہ کُن ۔ بوزہ ناوَک نا مہ اَکھ بتہٕ ہنا ۔ کاوٕ آوٕ ووٚتھ تہ لگو ٹاوٕ ٹاوٕ کرنہ ۔ یامَت اُم اَس مُرژر تہٕ ژامنہ ٹُکرہ پیوس پُھتر تہ گھوٗ پوژھ لہنہ ۔

(ب) پوژھ لہنہ اَکھ گوٚر اَکِس کریلِس پیٹھ ۔ اَتھ اَس زہٕ بُقعہ اکِس بُقعس منز بہت گوٚر پوژھ لہنہ کریلہ کِس ژٕ کِس تَل ۔ سِٹھاہ ژھرٹ چھُو دِوان یُتامَت اَکھ ژھاوُلا آوٕ کریلِس پیٹھ ۔ پوژھ لہنہ یامَت ژھاوُل وُچھ ۔ دَپُنَس کیا چھُک وُچھان ۔ کاش ژہ ترہ ہی فِکرِ بوٚزِم عیش چھُس ژٹان چانِس بابِس سیُت یتہٕ ۔ ژھاوُل وُچھ کریل آبَس منز پننِ شکل تہ ترُوس فِکرِ اَتہ چھُو اُمسُند بوی پُنز پاٹھ پوژھ لہنس سیُت ۔ دپُنَس بہتہ یِمہ ہا اُوٚر مگر تو ہیہ نِش کھٕ گنہ داتہ ۔ پوژھ لہنہ دُپُس ژہ بہٕ بُقعس منز ۔ ژھاوُل بیوُٹھ بُقعس منز تہ پوژھ لہنہ کھوت کریلہ منزہ تہ ژھاوُل فوٹ ۔

(۴) پرانِ گی

(ا) اَکِس خوجس آوٕ پوژھ ۔ بتہ کھینک وَقت ووت تہٕ نوکرن اَنِ طشت ناٗر ۔ تہ ترووُن بتہ ۔ خوجہ وُٹھس دستار خان اَن ۔ نوکرن دِتُس جواب ۔ شوشعن چھُو خوجہ بابہ وودیہ ! خوجہ گو خجل !

(ب) دستہ ماسس اوس اَکس حبابہ گھاندر یوان کرنہ ۔ ڈینہ اوس گھرہ ووچھِنے دستہ محمد دارلیوو ہوڈر ۔ نتہ پرژھس ژہ کُس گوکھ ۔ دپونک پانہ دستہ ماہہ ! کورہ مول گو خجل تہ زونُن یہ چھوڈ پروت ۔ گھرہ کُڈنکہ حیتہ دپُنس ژہ چھک لوکٹ ۔ چانِ وانس آسہ اَلتہ دُہ وَرِی ۔ ڈیہہ ڈیہوٚر اسہ آسہ ہک تہ نیتھرٕ بنہ ہی ۔ دستہ ماس دپونک ۔ مہ چھہ اَکھ دوست ڈیہہ ڈیہور ۔ ڈیہہ ڈیہ ونہِر زہ لگن نا !

(۵) اَپہُر

(ا) اَکھ سافہ پریزیڈنٹن دیاوہ نوو اَکِس زنانہ کالہ طلاق تہ دوبئہ دوہہ کرن اُمِس زنانہ بیاکھ نیتھر ۔ لُکو پرژھ صدر بہادرس یہ کیا کرُوت ژہ ۔ اَمِس زنانہ چھُنا عدنس پرادن

پریذیڈنٹ وُچھک درجواب "یِم عِدّت وِدّت چھِہ بوسیدہ نظامٕک یادگار۔ آزادی پتہ موکلیای یِم قِصّہ!"

(ب) اَکِس تازہ تہ ناخواندہ حاکمَس یلہِ سرکارن جیپ دِژ تہ دراو جیپہِ مَنز پننہِ نیُن کارگُزرن "جائزہ" ہیلنہِ۔ وتہِ رُدو اُمسند ڈرائیور تیلہِ پَمپَس پیٹھ پیٹرول برہ نہِ۔ تمہِ پتہ گُگ جیپ چلاونہِ وَتہِ ٹھہراوُ بیہِ تہ ہیتُن اَکِس موٹر کمپنی موبل اویل۔ حاکم سَسِیُد خفہ تہ دوپنس ژہ کیازہ چھک قدمہ پتہ قدمہ ٹھہران۔ ڈرائیورن وُپُس "جناب یَتِئت اوسُم موبل اوِیل ہیُنہ۔" حاکمن وُنُس "نہِ کیاہ گوٚو" ڈرائیورن وِتُس جواب "جناب پینہِ گوٚو اَکھ نیلا" حاکمَن چاُرنُس تہ وُنُس "سُہ زمانہ گوٚو یلہِ دون تیلن پیٹھ موٹر چلان اوس۔ یا صرف پیٹرول نتہ موبل اویل۔ اَکھ نیل صرف اَکھ تیل تراوُ جیپہ تہ چلاوُ!"

(۶) تُرِٹھ۔ کھرِٹ یا پریلہ

(ل) اکھ ٹرِبازَن وُن ہیِس ٹرِبازَس اسہِ چھہ اَکھ سترُنٹ۔ گھرہ یُس یلہِ اُسس مُژران چھِہ۔ مشرق و مغرب شمال وجنوب تمام دُنیہ ہَکِن مُلکن چھُو گنوہی دتھرونا بنان۔ بیک ٹرِبازَن وُنُس بو اوسُس میُنہ مُکراہ ژھانڈُاُنی تکیازہ اَسہِ نہِ آس سَتہ رنجہ پلہ ذہنہ نا یتھ اَکس جایہ گنڈ گمت چھُو۔ ژہ دِتن پننِ سترُنٹ بو لاگہ ناوہ ہَمن پننہِ منز نجہ گڈس۔

(ب) ٹرِبازَن اکِ دُٹن " بو اوسُس پینڈنس بنگلہ نمبر ۳۶، کمرہ نمبر ۴۳۶۸ کرسی نمبر ۲۰۳۹۹ پیٹھ نہ تان بوزُم برٛیرا ودان۔ تمہ بلہِ گوٚسس مہ ڈچھیم اہس گگرا اَکھ ندنگہ لمان لمان داچہ ژانان۔ مہ یلہِ بارہ لُم تہ گگرٕ دراوٕ نیبر۔ مہ دوپمس ژہ کیازہ چھک بارہ عذاب کران۔ اوّم "مہ ہسہ اوس پننِ حلقہ پریذیڈنٹن حُکم دیُت۔ براُز حاضر کرنہ خاطرہ"

(۷) آدَنی کتھن تارہی کُنٹ

(ل) زمِیٔنس یلہِ کیچ ٹھکو زمین کوت گیہِ۔ (ج) چیاٹ اَسے لایہی جُرتُن کوٚت گوٚ۔

(۸) ٹنگہ ٹاس

(ا) اکھ جعلساز اگو اَکِس بیوقوفس نش تہ ووِنُس بۄ چھُس کران سرتلہِ روپ تہ روپِس سۄن۔ بیوقوفن کُن تمام خانہ جاداد تہ انِٹس سرتُل۔ بیہ یۄ گیژھا نقد اوسُس تہ کرُن "کیمیاگرس" حوالہ کیمیاگرن وُنُس مہ لگن اَکھ کامہ ژ تہ جی دوہ۔ بیوقوفن موٗن یہ شرط تہ۔ وۄنہِ آیہِ ہفتہ جوراہ درامُت تہ جعلسازن گیاُتُل تمام نقد جائداد تہ ژۄلی۔ احمق روٗد اَتھ موٗران۔

(ب) لیڈرا (دوٗشمن لیڈرس کُن) ژہ ماخبر سانہِ اختلافہ سیٗت گیتیا کلہ پھٹ

لیڈر۲۔ یت کلس نہ زہر آسہِ شوگو اَل۔ پھٹان گژھن زہر نیرِتھ۔

لیڈر ا۔ یم ما حضن چھِ لاُرتہٕ زہر گڈِنت بیٹھن۔ انسان کلہ یا ہمت پھتر پیٗہ نہ اِنسان موکہ لیاوٗ۔

لیڈر۲۔ گویا بقولِ شاعرسے ژۄ ہورکُن پڈ یورکُن ۔ اکھ ہورکُن بیاکھ یورکُن

لیڈر ا شاعری ترِاو تہ اکِتت کُن۔ یتھ بیٹھ پگاہ صلاح سپدِہ تکیاژہ مانوٗ نہ اُنز۔

لیڈر۲ کتھ کیہ تہ گوان گژھ شوبیٗت یتھ کوڈ چھُوسے روٗدمنہ کانہہ اختیار۔ رودمنہ کانہہ اختیار

(۹) زہرباوس زنگ ژھنِن یاہنہ ہونہِ کھینہ زنگ

(ا) کلارک (اکِس ناخواندہ حاکمس) جنابِ یہ بِل گژھہ منظور کیازِ توہہ چھُو لیوکھمت روز رود تس بۄ ہانٛشہت میلہ گرٹان۔ کے ایس آر دِینہ اَمیوک اجازت۔

حاکم:۔ شوکنھ گو کیس آر، بیٗش نہ مہ اجازت دِیہ۔ فوراً لیکھ بِل ورنہ ابھی معطل کر دوں گا بے وقوف!

کلارک:۔ (ژلان ژلان دِلہ منزٕ) کتھ بلایہ منز گوس گرفتار۔ لیکھ بِل تہ گژھہ موقوف لیکھ نہ تہ زیم معطل کاش مہ آسہے یہ بِل نفوذ فی الحال پھترٕی۔ یمس حاکمس نہ پتہ آسہِ کے ایس آر کیا گو۔ تس ما تحت لگس چپراس۔ (نصیحت کران) تلہ کیازِ گوہاس یمہ نہگن تہ پوو تھس یاد۔ امِش آسہِ نتہ کم آمدنی تہ ژہ پایاتھس سفر خرچ یادہ۔

کلارک:۔ از ترحم نا فکرہ ہینہ ہوہِ کھیتہ زنگ کیا گو مگہ بیس مرگ سہراب۔

(ب) صبا اَکھ ووت اَکِس جایہ تہ ژھونڈن ٹکاری۔ امہ گامتکِ ملن دوپ بۄ کیازہ وَنہ

بوی چھُس مشہور شکاری ۔ آدٕ صحبس برونٛہہ کُن تہ دپونس صحب حضور! یہ برابر چھُنہ کشیرِ منز کانٛہہ شکاری ۔ صحبن موٗن تہ رنیوٗن دٕ ہمہ دوہہ جنگل ۔ وتہٕ پرٛژھنس " چھُری جانتا ہے " ؟ مَلن دپونس کلہ سیٹھ اَدہ ۔ تان دراو ملہ ژھانڈس تہ دپُن بوٕ کیا زِ تراوہ پننُن کرِہن ژادر گُلس الائز یتھ صحب ہیٚوت مانہِ تہ کھیت گُلس ۔ صحب اوس وُنہ دُورہ تہ ملہ اوس وُنہِ ژادر گنڈانی ۔ صحبن زون نکھہ یت گُلس پیٹھہ چھُو ہیچت تہٕ لگاوُن ٹاس ۔ بچارہ ملہ پیو ژادرہ سیٚتی پتھر تہٕ موٗد!

فردوسی کشمیر وہاب حاجن

غزل

شُلہِ فلکہِ کیتھہ گُل آفتابہ لو
سگہ ناوِت دُودہ کِس آبہ لو

چون رنگ کمہ غمہ نی گرمت زرد
تمہِ غمہ کوٚہی چھی تبہ تابہ لو

چھی سینس کمہِ کینہ گومت داغ
کتہِ چھیہ ژت ژہ سیاہ آبہ لو

لاجوردس شوٗبان چھی چھُست خال
سُنبلس پیٹھ زان سیمابہ لو

چانِ سُرخی چھی خرچ بازارس
تنبہ لاوِت ہینڈ اربابہ لو

ات روٗپس زیبا چھی مست رنگ
کت کیاہ ات نشہ مگجوابہ لو

کرہ زردی ہر دہ پروانہ ژہ فیری
پرہ گژھ هر نفس چھی اضطرابہ لو

خم گومت چھی آفتابس گن
نم آمُتی یس ہاوہ کعبہ لو

آفتابہ وِتوی برسر کرہ
ذرہ ذرہ لگہ کرہ کیاہ نہ ہابہ لو

غزل

محی الدین نواز ترتھ پوری

دُعا کم نالہ گے تاثیر کیاہ گو
محبت ناوکت تقدیر کیاہ گو

جُدائی گو وقتہ بیمارِ محبت
وُنی یارس پیٚہ تٚت تفسیر کیاہ گو

چھُو مَن پانٕتھن مَنز پیٚہ جلوہ یار
وُچھِت خوابس اندر تعبیر کیاہ گو

وُیان شرق المکان پیٚہ پالکین آو
وُچھارہ کیمنک تعمیر کیاہ گو

سرا پئن نیو اظہار وکھ پانس
مقام توبہ تقصیر کیاہ گو

اما یُس شاد در دام بلا زاو
تمس آیوت زلفو زنجیر کیاہ گو

چھُ یُس دیوس چھُ پانس منز گرفتار
شبابک پوش صفت تصویر کیاہ گو

اڈی یُس قید خانس شاد و خرم
رہائی مینز پیٚہ تدبیر کیاہ گو

محبت سُنز اظہار ونتھ پیٹھ تصویر سیتۍ
محی الدین پانس پیٹھ تفسیر کیاہ گو